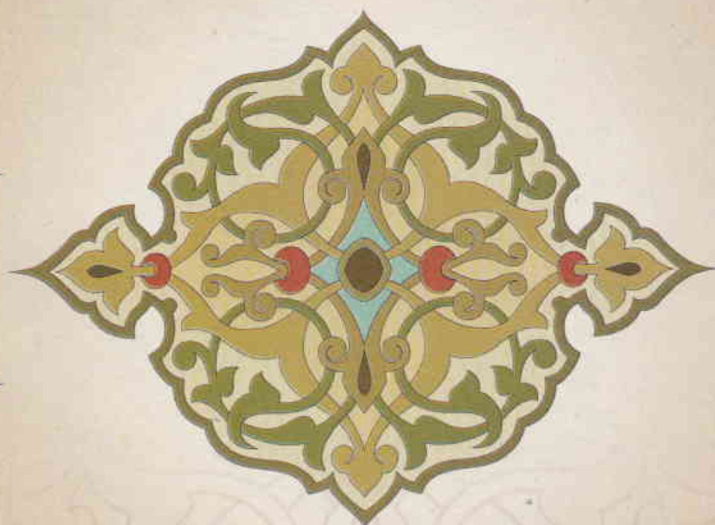
علمِ نافع



از افادات

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد صاحب نقشبندی مجددی مدظلہ

انعام از محمد عادل احمد خان
منجانب

علم نافع

از افادات

حضرت مولانا حافظ پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلہ

مرتب

مولانا محمد حنیف نقشبندی

فرید بکڈپو (پرائیویٹ) لمیٹڈ
FARID BOOK DEPOT (Pvt.) Ltd.
NEW DELHI-110002

فہرست

❁❁❁❁❁

عرض ناشر

ہمارے حضرت، حضرت اقدس مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی دامت برکاتہم کے ادارے ''معہد الفقیر الاسلامی جھنگ'' میں یہ دستور ہے کہ تعلیمی سال کے اختتام پر طلبا کے لیے تربیتی مجالس قائم کی جاتی ہیں تاکہ طلبا میں تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیتی رنگ کو بھی اجاگر کیا جائے۔ اس سال بھی شعبان ۱۴۳۰ھ میں ایک ہفتہ کے لیے یہ مجالس منعقد ہوئیں۔ جس میں معہد الفقیر کے اپنے طلبا کے علاوہ ملک بھر کے دیگر گوشوں سے بھی کثیر تعداد میں علما، طلبا اور سالکین نے شرکت کی۔ حضرتِ اقدس دامت برکاتہم نے موقع کی مناسبت سے حصولِ علم کی اہمیت اور مقصدیت پر ایک مفصل اور جامع بیان فرمایا تاکہ ان علما اور طلبا میں وہ سپرٹ (روح) پیدا کی جاسکے جو صحیح معنوں میں انبیا کے وارثین کی شان ہوتی ہے۔ چونکہ بیان بہت ہی بامقصد اور مؤثر تھا اس لیے مکتبۃ الفقیر نے اسے استفادہ عام کیلیے، خصوصا علما اور طلبا کے لیے، شائع کرنے کا اہتمام کیا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ادارے کی اس کاوش کو قبول فرمائے اور اسے ہمارے لیے صدقہ جاریہ بنائے۔ آمین ثم آمین۔

ڈاکٹر شاہد محمود نقشبندی عفی عنہ

علمِ نافع

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُوْلُوا الْاَلْبَاب﴾ (الزمر::۹)

......وَ قَالَ رسول اللّٰهُ ﷺ......

((طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ وَّ مُسْلِمَةٍ))

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ○ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ○ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

علم اور جہالت......اللہ کی نظر میں:

ارشاد باری تعالیٰ ہے

﴿ قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُوْلُوا الْاَلْبَاب ﴾ (الزمر::۹)

''(اے میرے محبوب ﷺ!) آپ فرما دیجیے، کیا علم والا اور بے علم برابر ہو سکتے ہیں؟ اس بات کی پرکھ وہی رکھتے ہیں جو سمجھ دار ہوتے ہیں۔''

یعنی عقل مند آدمی سمجھتا ہے کہ عالم اور جاہل برابر نہیں ہو سکتے، عالم کو اللہ رب العزت نے درجہ عطا فرمایا ہے۔

علم والی امت:

اس امت کی کچھ خصوصیات ہیں۔تورات کے اندر اس امت کی جونشانیاں بتائی گئیں،ان میں سے ایک یہ ہے کہ اس امت کو اللہ تعالیٰ قوتِ حافظہ بہت زیادہ عطافرمائیں گے۔ چنانچہ پہلی امتوں کی نسبت اس امت کوقوتِ حافظہ بہت زیادہ عطا کی گئی ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اس امت کے ذمے حفاظتِ دین کا کام تھا۔لہٰذا اللہ تعالیٰ نے قوت حافظہ بھی ایسی عطا فرمائی۔دوسرے لفظوں میں اس امت کو اللہ تعالیٰ نے علم والی امت بنایا ہے۔پہلے زمانوں میں علم، پادریوں کے پاس، ربائیوں کے پاس،یعنی خاص خاص لوگوں کے پاس ہوتا تھا۔لیکن اس امت میں اللہ تعالیٰ نے علم کو پھیلا دیا۔

حصول علم......اللہ تعالیٰ کی نظر میں:

اس علم کا حاصل کرنا اللہ رب العزت کو اتنا محبوب عمل ہے کہ امت کو اللہ رب العزت کی طرف سے جو پہلا پیغام ملا، وہ پیغام تھا،اِقراْ۔''پڑھ''۔جب قرآن اترا تو سب سے پہلا لفظ یہی تھا۔

سب سے پہلا لفظ''توحید'' کا بھی ہوسکتا تھا۔اس لیے کہ توحید کے بغیر انسان کا ایمان ہی ممکن نہیں۔اللہ تعالیٰ ہر گناہ کو معاف کردیں گے لیکن شرک والے گناہ کو کبھی معاف نہیں فرمائیں گے۔ایسا کیوں ہے؟ توحید کی اہمیت کی وجہ سے۔اس لیے سب سے پہلے یہ پیغام بھی ممکن تھا۔

یہ بھی ممکن تھا کہ سب سے پہلا لفظ''رسالت'' کے متعلق ہوتا کہ تم رسالت پر ایمان لے آؤ۔جیسے نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:تم میں سے کوئی شخص ایمان والا نہیں ہوسکتا جب تک میں اسے اس کے ماں باپ سے، اولاد سے، ساری دنیا کے

انسانوں سے اور اس کی اپنی جان سے زیادہ عزیز نہ ہو جاؤں۔

سب سے پہلا پیغام ''قیامت'' کے متعلق بھی ہو سکتا تھا۔ کیونکہ قیامت کے تصور کے بغیر نہ تو بڑھ بڑھ کر کوئی نیکی کر سکتا ہے اور نہ ہی اپنے آپ کو گناہوں سے بچا سکتا ہے۔ اس لیے قیامت کے دن کا ایک واضح تصور ذہن میں ہونا، یہ بھی ضروری تھا۔

مگر ایسا نہیں ہوا۔ یہ پہلا میسج (پیغام) توحید کے متعلق آیا نہ رسالت کے متعلق آیا اور نہ ہی قیامت کے متعلق آیا۔ اگر آیا تو کس کے متعلق؟ فرمایا: اِقْرَأْ۔ پڑھنے کے متعلق آیا۔ اس سے پتہ چلا کہ پڑھنے کا عمل اللہ تعالیٰ کو اتنا پسند ہے۔

علم اور معلومات میں فرق:

ہم جو کچھ پڑھتے ہیں وہ دو طرح کی چیزیں ہوتی ہیں۔ بعض تو ''انفارمیشنز'' (معلومات) ہوتی ہیں اور بعض ''علم'' ہوتا ہے۔ علم اور چیز ہے اور معلومات اور چیز ہیں۔ علم وہ ہوتا ہے جس کو شریعت نے ''علمِ نافع'' کہا ہے۔ یعنی ایسا علم جو نفع دینے والا ہو۔ اور معلومات میں وہ بہت ساری چیزیں آجاتی ہیں جن کا پتہ ہوتا ہے مگر اس کا تعلق عمل کے ساتھ بالکل نہیں ہوتا۔

علم ایک نور ہے جو انسان کے سینے میں آتا ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے امام وکیع رحمۃ اللہ علیہ سے اپنے حافظے کی کوتاہی کی شکایت کی تو انہوں نے جواب میں ارشاد فرمایا: تم اپنے آپ کو گناہوں سے بچاؤ۔ پھر امام شافعی نے اس کو الفاظ کا لباس یوں پہنایا:

شَكَوْتُ اِلٰى وَكِيْعٍ سُوْءَ حِفْظِىْ
فَاَوْصٰنِىْ اِلٰى تَرْكِ الْمَعَاصِىْ
فَاِنَّ الْعِلْمَ نُوْرٌ مِّنْ اِلٰهِىْ
وَ نُوْرُ اللّٰهِ لَا يُعْطٰى لِعَاصِىْ

اللہ کا نور گناہ گار کو نہیں دیا جاتا۔ اگر تو فقط الفاظ اور حروف تک کا معاملہ ہے تو یہ معلومات ہیں اور اگر الفاظ اور حروف سے آگے بڑھ کر علم کا نور بھی سینے میں آیا ہے تو یہ علم ہے۔

فضیلت علم ...... اکابرین امت کی نظر میں:

اس علم کو حاصل کرنے کے لیے امت کے علما نے بڑے ہی پیارے انداز میں علم کی فضیلت سمجھائی۔

⊙ ...... سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

مَنْ تَعَلَّمَ وَ عَلِمَ وَ عَمِلَ فَذَاكَ يُدْعٰى عَظِيْمًا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمَاءِ

''جو پڑھے، علم حاصل کرے اور اس پر عمل کرے، وہ آسمان کی بادشاہی میں ایک عظیم انسان کہا جاتا ہے۔''

⊙ ...... ابو درداؓ فرماتے ہیں:

((مَثَلُ الْعُلَمَاءِ فِي النَّاسِ كَمَثَلِ النُّجُوْمِ فِي السَّمَاءِ يَهْتَدِيْ بِهَا))

''انسانوں میں علما کی مثال ایسے ہیں جیسے آسمان کے اوپر ستاروں کی مثال ہے کہ ان ستاروں کو دیکھ کر لوگ رہبری حاصل کرتے ہیں۔''

﴿ وَ بِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴾ (النحل:۱۶)

اسی طرح علما سے بھی انسان سیدھے راستے کی رہنمائی حاصل کرتا ہے۔ آسمان کی زینت ستاروں سے ہے، زمین کی زینت ان علما پرہیز گاروں سے ہے۔ یہ زمین کے ستاروں کی مانند ہیں۔

⊙ ...... ابو بکر البصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

دَخَلْتُ عَلٰى سَهْلِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ وَ مَعِي الْمِحْبَرَةُ فَقَالَ

لِیْ تَکْتُبُ؟قُلْتُ نَعَمْ۔قَالَ :اُکْتُبْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَلْقَی اللّٰہَ عَزَّ وَجَلَّ وَمَعَکَ الْمِحْبَرَۃُ فَافْعَلْ

''میں سہل بن عبداللہ کے پاس گیا۔ میرے ہاتھ میں دوات تھی۔(جس سے میں لکھتا تھا) انہوں نے مجھ سے پوچھا: لکھتے ہو؟ میں نے کہا: جی ہاں۔ پھر انہوں نے فرمایا: اگر ممکن ہو کہ تو اللہ سے اس حال میں ملے کہ تیرے ہاتھ میں دوات ہو تو تم ایسا کر گزرنا۔''

سبحان اللہ! اس علم کی کیا شان ہے! کہ استاد شاگرد کو سمجھا رہے ہیں کہ اگر یہ ممکن ہو کہ تم اللہ کے سامنے اس حال میں پیش ہو کہ تمہارے ہاتھ میں دوات ہو، تا کہ پتہ چلے کہ تم طالب علم ہو، تو پھر ایسا کر گزرنا۔

⊙......ابن قیم فرماتے ہیں:

اسْتَشْھَدَ اللّٰہُ عَزَّ وَ جَلَّ بِاَھْلِ الْعِلْمِ عَلٰی اَجَلِّ مَشْھُوْدٍ بِہٖ وَ ھُوَ التَّوْحِیْدُ وَ قَرَنَ شَھَادَتَھُمْ وَ شَھَادَۃَ مَلَائِکَتِہٖ وَ فِی ضِمْنِ ذٰلِکَ تَعْدِیْلِھِمْ فَاِنَّہٗ تَعَالٰی لَا یَسْتَشْھِدُ بِمَجْرُوْحٍ

''اللہ تعالیٰ اہلِ علم کو ایک مشہود بہ معاملے پر گواہ بنایا ہے کہ اورر ان کی شہادت کو فرشتوں کی شہادت کے ساتھ اکٹھا کیا ہے''

قرآن مجید کی ایک آیت ہے:

﴿شَھِدَ اللّٰہُ اَنَّہٗ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ وَالْمَلٰٓئِکَۃُ وَاُولُوا الْعِلْمِ﴾

(الِ عمران:۱۸)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''اللہ گواہی دیتے ہیں کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اور ملائکہ اور ایمان والے۔''

یہاں ملائکہ اور ایمان والوں کی شہادت کو واوٗ عاطفہ کے ساتھ اکٹھا کیا۔ آپ سوچیں کہ شہادت حاصل کرنے والے اللہ تعالیٰ ہیں۔ اس شہادت کا حاصل کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ گواہ مجروح نہیں ہیں۔ اگر گواہ کے اوپر کوئی جرح ہوتی تو اللہ رب العزت اس کی گواہی پیش نہ کرتے۔ تو اللہ رب العزت کا ایمان والوں کی گواہی کو پیش کرنا، ان کی تعدیل پر ایک پکا ثبوت ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ مجروح شخص کی گواہی کو قبول نہیں فرماتے۔ ایمان والوں کا اللہ کے نزدیک اتنا مقام ہے کہ اللہ نے ان کی گواہی کو قبول کیا اور ان کی گواہی اور ملائکہ کی گواہی کو اکٹھا کر بتا دیا۔ اللہ اکبر کبیرا

یہاں مفسرین نے ایک عجیب نکتہ نکالا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اللہ گواہی دیتا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اور ملائکہ اور ایمان والے اور علم والے۔ لہٰذا اس امت کے جتنے بھی لوگ کلمہ پڑھتے ہیں، گواہی تو وہ بھی دیتے ہیں۔ تو قرآن کی اس آیت سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ اللہ رب العزت قیامت کے دن اپنے محبوب ﷺ کی امت کے ہر کلمہ گو کو اہل علم کی قطار میں شامل فرمائیں گے۔ اس لیے کہ ''اولوالعلم'' کہا گیا ہے۔ اور جو اس امت کے علما ہوں گے وہ اخص الخواص ہوں گے۔ ان کو تو پھر انبیا کے بعد والی صفوں میں درجہ ملے گا۔ یہ اللہ رب العزت کا کتنا بڑا اکرم ہے کہ علم والوں کی گواہی کو ملائکہ کی گواہی کے ساتھ اکٹھا بیان فرما دیا ہے۔

⊙ ...... امام احمد فرماتے ہیں:

اَلنَّاسُ اِلَی الْعِلْمِ اَحْوَجُ مِنْھُمْ اِلَی الطَّعَامِ وَ الشَّرَابِ۔ لِاَنَّ الرَّجُلَ یَحْتَاجُ اِلَی الطَّعَامِ وَ الشَّرَابِ فِی الْیَوْمِ مَرَّۃً اَوْ مَرَّتَیْنِ وَ حَاجَتُہٗ اِلَی الْعِلْمِ بِعَدَدِ اَنْفَاسِہٖ

''لوگ کھانے اور پینے سے زیاد علم کے محتاج ہوتے ہیں۔ (ان کو علم کی

ضرورت کھانے پینے سے زیادہ ہوتی ہے) اس لیے کہ آدمی کو روزانہ ایک مرتبہ یا دو مرتبہ کھانے کی ضرورت پیش آتی ہے اور علم کی اس کو اتنی مرتبہ ضرورت پیش آتی ہے جتنی مرتبہ وہ سانس لیتا ہے۔''

تو معلوم ہوا کہ ہمیں علم کی ضرورت زیادہ ہے بہ نسبت کھانے اور پینے کے۔

⊙ ......سیدنا علی کرم اللہ وجہہ اپنے ایک شاگرد کو فرماتے ہیں:

يَا كُمَيْلُ: اَلْعِلْمُ خَيْرٌ مِنَ الْمَالِ، اَلْعِلْمُ يَحْرُسُكَ وَ اَنْتَ تَحْرُسُ الْمَالَ، وَالْعِلْمُ حَاكِمٌ وَ الْمَالُ مَحْكُوْمٌ عَلَيْهِ، وَ الْمَالُ تُنْقِصُهُ النَّفَقَةُ، وَ الْعِلْمُ يَزْكُوْا بِالْإِنْفَاقِ

''اے کمیل! (یہ کمیل اسم تصغیر ہے کام کی) علم مال سے زیادہ بہتر ہے، (پھر اس کی دلیل قائم کی اور فرمایا) علم تیری حفاظت کرتا ہے اور تجھے اپنے مال کی حفاظت کرنی پڑتی ہے۔ علم حاکم ہوتا ہے اور مال اس کا محکوم ہوتا ہے۔ مال کو جب خرچ کیا جاتا ہے تو وہ کم ہوتا ہے اور علم خرچ کرنے سے بڑھ جاتا ہے۔''

یہ یَـزْکُوْا زکوٰۃ سے ہے۔ اور زکوٰۃ کا ایک معنیٰ ''مال کا بڑھنا'' بھی ہے۔ جیسے قرآن مجید میں ہے کہ اصحاب کہف نے فرمایا کہ جاؤ کھانا لاؤ۔

﴿فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَا اَزْكٰى طَعَامًا﴾

یہاں بھی اَزْکٰی کا ایک مطلب تو یہ تھا کہ کھانا پاکیزہ ہو اور یہ مطلب بھی تھا کہ وہ کھانا بڑھنے والا ہو۔

⊙ ......ایک اور جگہ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

اَلْعَالِمُ اَفْضَلُ مِنَ الصَّائِمِ الْقَائِمِ الْمُجَاهِدِ، وَ اِذَا مَاتَ الْعَالِمُ ثُلِمَ مِنَ الْاِسْلَامِ ثُلْمَةٌ لَا يَسُدُّهَا اِلَّا خَلَفٌ مِنْهُ

''عالم، روزہ رکھنے والے سے، رات کو تہجد گزار بندے سے اور اللہ کے

راستے میں جہاد کرنے والے (مجاہد)، تینوں پر فضیلت رکھتا ہے۔ اور جب عالم مر جاتا ہے تو اسلام میں ایک سوراخ ہو جاتا ہے اور اس سوراخ کو کوئی دوسرا نہیں بھر سکتا، مگر اس عالم کی جو بندہ جانشینی کرتا ہے، وہ اس سوراخ کو بھر دیتا ہے۔''

⊙ ......عبداللہ بن الشخیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

فَضْلُ الْعِلْمِ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ فَضْلِ الْعِبَادَةِ

''علم کی فضیلت مجھے عبادت کی فضیلت سے زیادہ پسندیدہ ہے۔''

⊙ ......ابن وہب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

كُنْتُ بَيْنَ يَدَیْ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ فَوَضَعْتُ الْوَاحِيْ وَ قُمْتُ اُصَلِّيْ فَقَالَ: مَا الَّذِیْ قُمْتَ اِلَيْهِ بِاَفْضَلَ مِمَّا قُمْتَ عَنْهُ يَعْنِیْ قَامَ لِصَلَاةِ النَّافِلَةِ

''میں مالک رضی اللہ عنہ کے پاس تھا۔ میں نے اپنے کاغذوں کو ایک طرف رکھا اور میں نفل پڑھنے لگا۔ انہوں نے فرمایا: جس چیز سے تو نفل پڑھنے کے لیے اٹھا ہے وہ اس چیز پر زیادہ فضیلت رکھتی ہے۔ یعنی عالم کا علم حاصل کرنا، نفل نماز پر بھی فضیلت رکھتا ہے۔''

⊙ ......امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

طَلَبُ الْعِلْمِ اَفْضَلُ مِنْ صَلَاةِ النَّافِلَةِ

''علم کا طلب کرنا، نفل پڑھنے سے زیادہ بہتر عبادت ہے، اس کی فضیلت زیادہ ہے۔''

⊙ ......عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

اُغْدُ عَالِمًا اَوْ مُتَعَلِّمًا وَ لَا تَغْدُ بَيْنَ ذٰلِكَ

''تو صبح کر عالم کی حیثیت میں، یا طالب علم کی حیثیت میں اور ان کے درمیان

کی کسی حیثیت میں صبح نہ کر۔‘‘

اس لیے ہمیں یا تو علم ہونا چاہیے، اگر یہ نہیں تو پھر طالب علم تو ضرور ہونا چاہیے اور ساری زندگی طالب علم ہی رہنا چاہیے۔ اس لیے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا:

اُطْلُبُو الْعِلْمَ مِنَ الْمَهْدِ اِلَی اللَّحْدِ

’’علم حاصل کرو پنگھوڑے سے لے کر قبر میں جانے تک‘‘

اس کا مطلب کیا ہوا؟ کہ انسان اپنے آپ کو ساری زندگی علم کی طلب میں لگائے رکھے۔

⊙ ..... عون بن عبداللہ فرماتے ہیں:

قلت لعمر بن عبدالعزیز ان استطعت ان تکون عالماً فکن عالماً فان لم تستطع فکن متعلماً، فان لم تکن متعلما فاحبهم، فان لم تحبهم فلا تبغضهم، فقال عمر سبحان الله لقد جعل الله عز و جل له مخرجاً

’’میں نے عمر بن عبدالعزیز سے کہا: اگر آپ عالم بن سکتے ہیں تو عالم بن جائیے، اگر آپ عالم نہیں بن سکتے تو پھر طالب علم بن جائیے۔ اگر آپ طالب علم بھی نہیں بن سکتے تو ان سے محبت کرنے والے بن جائیے۔ اور اگر ان سے محبت کرنے والے بھی نہیں بن سکتے تو (پلیز) ان سے بغض نہ رکھیے۔ عمر بن عبدالعزیز نے جواب دیا: سبحان اللہ! اللہ نے اس بندے کے لیے بھی ایک مخرج بنا دیا۔‘‘

ہمیں بھی چاہیے کہ یا تو ہم عالم بنیں، یا طالب علم بنیں۔ اگر نہیں بن سکتے تو ان سے محبت کرنے والے بنیں۔ اور اگر یہ نعمت بھی نصیب نہیں تو کم از کم مرتبہ یہ ہے کہ دلوں میں ان کے بارے میں بغض تو نہ رکھیں۔ کیونکہ بسا اوقات دل میں اتنا فسق و

فجور رہتا ہے کہ دوسرے بندے کی نیکی بھی اچھی نہیں لگتی۔ دوسرے کا دین پڑھنا بھی اچھا نہیں لگتا۔ کتنے ہی روشن خیال لوگ ہیں جن کو طلبا کا قرآن و حدیث کا پڑھنا اچھا نہیں لگتا۔ وہ پیچ وتاب کھاتے رہتے ہیں۔ بھئی! پڑھتے ہم ہیں اور پریشانی آپ کو ہوتی ہے۔ کیوں؟...... تو کم از کم درجہ یہ ہے کہ انسان اپنے دل میں بغض تو نہ رکھے۔

⊙......ابوبکر اجری فرماتے ہیں:

”علما کو ہر حال میں اللہ نے فضل عظیم عطا کیا ہے۔ جب وہ علم کے حصول کے لیے گھر سے نکلتے ہیں تو اس میں ان کو فضیلت ہے۔ اگر وہ علم کی مجلس قائم کریں تو اس میں بھی ان کو فضیلت حاصل ہے۔ اگر وہ بیٹھ کر مذاکرہ کریں بعض بعض کے ساتھ تو اس میں بھی ان کی فضیلت ہے۔ جو علم وہ پڑھتے ہیں اس میں بھی ان کو فضیلت ہے۔ اگر وہ کسی کو علم پڑھائیں تو اس پڑھانے میں بھی ان کو فضیلت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے علما کے فضل کو کئی انداز سے ایک جگہ پر اکٹھا فرما دیا ہے......“

⊙......جب عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ وقت کے خلیفہ بنے تو انہوں نے محسوس کیا کہ اس وقت تو امت کے اندر علم بہت ہے، اگر اس کو محفوظ نہ کیا گیا تو یہ علم کم بھی ہو سکتا ہے اور ختم بھی ہو سکتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے اس وقت کے جو محدثین تھے ان کو خط لکھا...... یہ حفاظت حدیث کی سرکاری سرپرستی کی مثال ہے......اس وقت ایک محدث ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ وہ بہت ہی متقی اور پرہیزگار تھے۔ ان کی بیوی نے گواہی دی کہ میں نے ان کے ساتھ زندگی کے چالیس سال گزارے ہیں، میں نے رات کے اندھیرے میں ان کو سوتے ہوئے نہیں دیکھا۔ ساری ساری رات تعلیم و تعلم اور اللہ کی عبادت میں گزر جاتی تھی۔ ان کو حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے خط لکھا اور فرمایا:

انظر ما كان من حديث رسول الله ﷺ فاكتبه ، فاني خفت دروس العلم و ذهاب العلماء و لا تقبل الا حديث النبی و لتفشوا العلم، ولتجلسوا حتى يعلم من لا يعلم، فان العلم لا يهلك حتى يكون سرا

''آپ نبی علیہ السلام کی احادیث کو تلاش کیجیے اوران کو لکھ لیجیے۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں علما بھی رخصت نہ ہو جائیں اور علم بھی رخصت نہ ہو جائے۔ قبول نہ کرو، مگر نبی علیہ السلام کی حدیث، اور تم اس کو پھیلاؤ۔ اور اتنی لمبی مجلسیں قائم کرو کہ جس کو نہیں پتہ اس کو بھی پتہ چل جائے۔ (یعنی جاہل بھی عالم بن جائے) علم اس وقت تک ختم نہیں ہوتا جب تک کہ یہ خفیہ نہیں ہوتا۔''

یعنی اب جن کے سینوں میں ہے اگر وہ دنیا سے چلے گئے تو علم بھی چلا جائے گا۔ اس لیے اس کو پھیلاؤ۔ کیونکہ اس کے پھیلانے میں اس کی حفاظت ہے۔

چنانچہ انہوں نے بھی کوشش کی اور ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کوشش کی۔ اللہ کی شان کہ ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ کا صحیفہ پہلے پہنچ گیا۔ لہٰذا اس کو عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے آگے بھجوادیا۔ اور جب ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ نے صحیفہ تیار کیا تو اس وقت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ہو چکی تھی۔ لیکن آج بھی دنیا کے عجائب گھروں میں ''صحیفہ ابن حزم'' اپنی اصلی حالت میں موجود ہے۔

⊙ ..... ایک بزرگ فرماتے ہیں:

اَلْجَاهِلُ صَغِيْرٌ وَ اِنْ كَانَ شَيْخًا وَ الْعَالِمُ كَبِيْرٌ وَّ اِنْ كَانَ حَدَثًا

''جاہل آدمی چھوٹا ہوتا ہے اگر چہ وہ بوڑھا ہو، اور عالم بڑا ہوتا ہے اگر چہ تو عمر ہی ہو۔''

پھر وہ اس بات کی دلیل کسی شاعر کے شعر سے دیتے ہیں:

تَعَلَّمْ فَلَيْسَ الْمَرْءُ يُوْلَدُ عَالِمًا
وَ لَيْسَ اَخُوْ عِلْمٍ كَمَنْ هُوَ جَاهِلٌ
وَ اِنَّ كَبِيْرَ الْقَوْمِ لَا عِلْمَ عِنْدَهٗ
صَغِيْرٌ اِذَا التَفَّتْ اِلَيْهِ الْمَحَافِلُ

''تم پڑھو، کوئی بھی بندہ عالم بن کر پیدا نہیں ہوتا۔ (پڑھنا پڑتا ہے) اور جو علم والا ہوتا ہے وہ جاہل کے برابر نہیں ہوسکتا۔''

یہاں اَخُو عَلم کا مطلب ہے ''علم والا''۔ جیسے ابوالکلام، ابوالعلم وغیرہ۔

''اور اگر قوم کا بڑا ایسا ہے کہ اس کے پاس علم نہیں، تو وہ اس وقت چھوٹا ہوتا ہے جب اس کے پاس لوگ محفل میں اکٹھے ہوجاتے ہیں۔''

اب وہ جاہل ہے اور کوئی بات بھی نہیں کرسکتا۔ تو معلوم ہوا کہ انسان کو عظمت اور بڑائی علم کی وجہ سے ملتی ہے۔

⊙......عبداللہ بن عون رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ثَلَاثٌ اُحِبُّهُنَّ لِنَفْسِىْ وَ لَا خْوَانِىْ: هٰذِهِ السُّنَّةُ اَنْ يَتَعَلَّمُوْهَا وَ يَسْأَلُوا النَّاسَ عَنْهُ وَ يَدَعُوْا النَّاسَ اِلَّا مِنْ خَيْرٍ

''تین چیزیں ایسی ہیں جن کو میں اپنے اور اپنے بھائیوں کے لیے پسند کرتا ہوں۔

(۱) سنت کے بارے میں پڑھنا اور پوچھنا۔

(۲) قرآن سیکھنا اور لوگوں سے اس کے بارے میں پوچھنا۔

(۳) اور انسانوں کو چھوڑ دینا سوائے خیر کے۔''

یعنی جب کوئی خیر کا معاملہ ہو تو پھر تم لوگوں کے ساتھ ملو جلو۔ اگر خیر کا معاملہ نہیں تو پھر تم ایک طرف ہی رہو۔

⊙......معاذ بن جبل ﷺ کو نبی علیہ السلام نے معلم بنا کر یمن کی طرف بھیجا تھا۔ انہوں نے اپنے خطبے میں علم کی ایسی فضیلت بیان کی ہے کہ واقعی انہوں نے نبی علیہ السلام کی صحبت پانے کا حق ادا کر دیا۔ چنانچہ انہوں نے فرمایا:

''علم حاصل کرو، اس لیے کہ جو بندہ اللہ کے لیے علم کو سیکھتا ہے وہ اس کے لیے خشیت ہوتی ہے اور علم کا طلب کرنا عبادت ہے۔ اور اس کا تکرار کرنا اللہ کے نزدیک تسبیح پڑھنے کی مانند ہے۔ اور مسائل پر ایک دوسرے پر بحث کرنا، جہاد کرنے کی مانند ہے۔ اور اس کی تعلیم دینا کسی ایسے شخص کو جس کے پاس علم نہیں، یہ اللہ کے راستے میں صدقہ کرنے کی مانند ہے۔ اور اسے اس کے اہل تک پہنچانا، اللہ کا قرب ہے۔ اس لیے کہ یہ علم حرام اور حلال کی نشانی ہے (یعنی اس سے پتہ چلتا ہے کہ حلال کیا ہے اور حرام کیا ہے)۔ اور یہ وحشت کی حالت میں انسان کا انیس ہے۔ اور تنہائی میں انسان کا دوست ہے۔ اور یہ رہنما ہے انسان کا، خوشی میں اور غمی کی حالت میں۔ اور اخلاق کے مزین ہونے کا سبب ہے۔ اور غربا کے قرب کا سبب ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے سے قوموں کو بلندی عطا فرماتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو انسانوں کا قائد بنا دیتا ہے اور ان کی اقتدا کی جاتی ہے۔ اور ان کو اخلاق میں امام بنا دیتا ہے۔ اور ان کی اتباع کی جاتی ہے۔ اور ان کی رائے پر بات آکر ختم ہوتی ہے اور ملائکہ ان کے ساتھ اپنے پروں کو مس کرنے کی رغبت رکھتے ہیں۔ (جیسے محبت کی وجہ سے کسی کو ہاتھ لگانا، ملائکہ کا اہل علم کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہوتا ہے) حتی کے ہر خشک اور تر چیز ان کے لیے استغفار کرتی ہے۔ یہاں تک کہ سمندر کے اندر مچھلیاں اور حشرات الارض (بھی ان کے لیے استغفار کرتے ہیں)۔ اور درندے اور دوسرے جانور بھی (ان کے لیے

استغفار کرتے ہیں)۔اور آسمان اور اس کے ستارے بھی (ان کے لیے
استغفار کرتے ہیں)۔اس لیے کہ علم دلوں کی زندگی ہے اندھے پن کے
مقابلے میں۔(علم نہیں ہوتا تو دل اندھے ہوتے ہیں،اور جب علم حاصل ہو
جاتا ہے تو دل بینا بن جاتے ہیں)۔اور تاریکی میں دل آنکھوں کا نور
ہے۔اور بدن کی یہ طاقت ہے کمزوری کے مقابلے میں۔بندہ اس کے
ذریعے احرار کی منازل تک پہنچ جاتا ہے۔اور بادشاہوں کی مجلسوں میں پہنچ
جاتا ہے۔اور دنیا و آخرت میں بلند مرتبوں تک پہنچ جاتا ہے۔اور علم میں سوچ
بچار کرنا روزہ رکھنے کے برابر عبادت ہے۔اور اس کا ایک دوسرے کے ساتھ
تکرار کرنا، یہ رات میں تہجد میں کھڑے ہونے کے برابر کا عمل ہے۔اسی کے
ذریعے اللہ کی اطاعت ہوتی ہے۔اور اللہ عز وجل کی اسی کے ذریعے سے
عبادت ہوتی ہے۔اور اسی کے ذریعے سے رشتہ داریاں قائم کی جاتی
ہیں۔اور اسی کے ذریعے سے حلال اور حرام کو الگ الگ کیا جاتا ہے۔یہ عمل
کا امام ہے اور عمل اس کی اتباع کرتا ہے۔جو سعید لوگ ہوتے ہیں ان کو علم کا
الہام کیا جاتا ہے اور جو بد بخت ہوتے ہیں ان کو علم سے محروم کر دیا جاتا ہے۔"

سبحان اللہ! اتنے کم الفاظ میں علم کی ایسی اہمیت کو بیان کر دینا، ایک صحابیؓ ہی کی
شان ہو سکتی ہے۔

اشاعتِ علم......اکابرین کی نظر میں:

علم پڑھنے کی اپنی ایک فضیلت ہے۔مگر یہاں بات ختم تو نہیں ہو جاتی۔آخر ہر
کام کا کوئی نہ کوئی مقصد ہوتا ہے۔جب تک وہ مقصد حاصل نہ ہو،انسان منزل تک تو
نہیں پہنچ سکتا۔چنانچہ اس علم کو پڑھنے کے بعد پڑھانا بھی چاہیے۔پڑھنے پڑھانے
میں لگے رہنا چاہیے۔اس لیے کہ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

"اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا"

"مجھے معلم بنا کر بھیجا گیا ہے۔"

چنانچہ جو معلم بنتا ہے وہ نبی علیہ السلام والے اس مقصد میں شریک کار بن جاتا ہے۔

⊙......حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"علم حاصل کرو اور اسے لوگوں کو پڑھاؤ۔ اور لوگوں کو وقار اور سکینہ سکھاؤ، اور تم اس کے لیے تواضع اختیار کرو جس سے تم نے علم سیکھا ہے۔ اور تم جابر علما میں سے نہ بنو۔"

یعنی اگر علم آئے تو ساتھ ساتھ بندے کے اندر تواضع بھی آنی چاہیے اس لیے کہ درخت کی جس شاخ پر زیادہ پھل ہوتا ہے، وہ شاخ زیادہ جھک جاتی ہے۔ اور جس کے دل میں اللہ تعالیٰ علم نافع عطا فرما دیتا ہے، وہ بندہ اپنے ایمان والے بھائیوں کے سامنے وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ پر عمل کرتے ہوئے ان ایمان والوں کے سامنے بھی جھک جاتا ہے۔

⊙......حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

اِنَّ اَحَدًا لَا يُوْلَدُ عَالِمًا وَالْعَالِمُ بِالتَّعَلُّمِ

"کوئی بھی بندہ عالم پیدا نہیں ہوتا (ماں کے پیٹ سے)۔ علم تو پڑھنے پڑھانے سے ملتا ہے"

⊙......حضرت سلمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

عِلْمٌ لَايُقَالُ بِهٖ كَكَنْزٍ لَايُنْفَقُ مِنْهُ

"وہ علم جس کو نہ بتایا جائے ایسے خزانے کی مانند ہے جس کو خرچ ہی نہ کیا جائے۔"

⊙ ...... فضیل بن غزوان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

كُنَّا نَجْلِسُ أَنَا وَابْنُ شُبْرُمَةَ وَ الْحَارِثُ الْعُكْلِيُّ وَ الْمُغِيْرَةُ وَ الْقَعْقَاعُ بْنُ يَزِيْدَ بِاللَّيْلِ نَتَذَاكَرُ الْفِقْهَ، فَرُبَّمَا لَمْ نَقُمْ حَتّٰى نَسْمَعَ النِّدَاءَ لِصَلٰوةِ الْفَجْرِ

''ہم چند لوگ، یعنی میں، ابن شبرمہ، حارث العکلی، مغیرہ اور قعقاع بن یزید، مل بیٹھ کر رات کو فقہ کے بارے میں مذاکرہ کرتے تھے (مسائل شریعت کے بارے میں) کئی مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ ہم مجلس سے کھڑے نہیں ہوتے تھے حتی کہ ہم فجر کی نماز کی اذان سن لیا کرتے تھے۔''

ان کی ساری ساری رات علم کے مذاکرے میں گزر جایا کرتی تھی۔

⊙ ...... یہی فضیل بن غزوان ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

لا تمنع العلم من اهله فتأثم، و لا تنشره عند غير اهله فتجهل، و كن طبيباً رفيقا يضع دوائه حيث يعلم انه ينفع

''اس علم کو اس کے اہل سے روکو نہیں، یہ گناہ ہے۔ اور اس کو کسی نااہل کو دو نہیں، کہ یہ جہالت ہے۔ اور تم ایک رفیق طبیب کی مانند بن جاؤ، وہ اپنی دوا کو ایسی جگہ پر رکھتا ہے جہاں پر وہ جانتا ہے کہ یہاں دوا رکھنے سے فائدہ ہوتا ہے۔''

وہ ایسی جگہ دوا لگاتا ہے جہاں لگانے سے اسے فائدہ نظر آتا ہے۔ تو جس طرح رفیق طبیب اپنی دوا کا استعمال کرتا ہے تم بھی اپنے علم کو اپنے شاگردوں پر اسی طرح استعمال کرو۔

⊙ ...... لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے سے کہا:

يا بنى لا تعلم العلم لتباهى به العلماء او لتمارى به السفهاء او

ترائی به فی المجالس ، و لا تترك العلم زهدا فيه و رغبة فی الجهالة ، يا بنی ، اختر المجالس علی عينك ، و اذا رأيت قوما يذكرون الله فاجلس معهم فانك ان تكن عالما ينفعك علمك، و ان تكن جاهلا يعلموك و لعل الله ان يطلع عليهم برحمة فيصيبك بها معهم، و اذا رأيت قوما لا يذكرون الله فلا تجلس معهم، فانك ان تكن عالما لا ينفعك علمك ، و ان تكن جاهلا زادوك غيا او غيا و لعل الله يطلع عليهم بعذاب فيصيبك معهم

''علم حاصل نہ کرنا کہ تم علما میں بیٹھ کر شیخی بگھار سکو، یا بے وقوفوں پر فخر کر سکو، یا دکھا سکو مجالس کے اندر۔ علم حاصل کرنے کو چھوڑنا بھی نہیں کہ تمہیں اس میں کوئی دلچسپی ہی نہ رہے اور جہالت کی طرف تمہارا میلان زیادہ ہو جائے۔ اے بیٹے! اپنی ذات پر مجالس کو اختیار کرو۔ جب تم کسی جماعت کو دیکھو کہ اللہ کا ذکر کر رہی ہے تو تم اس کے ساتھ جا کر بیٹھو۔ اگر تو عالم ہوگا تو تیرا علم تجھے فائدہ دے گا اور اگر تو جاہل ہوگا تو وہ تجھے علم سکھا دیں گے۔ اور اگر اللہ رب العزت نے اس قوم کے اوپر اپنی رحمت نازل فرمائی تو وہ رحمت ان کے ساتھ تجھے بھی مل جائے گی۔ اور جب تم کچھ ایسے لوگوں کو دیکھو کہ وہ اللہ کا ذکر نہیں کر رہے تو تم ان کے پاس مت بیٹھو۔ اگر تو عالم ہوگا تو تیرا علم تجھے فائدہ نہیں دے گا (ان غافلوں کے پاس بیٹھنے سے) اور اگر تو جاہل ہوگا تو تیری گمراہی اور زیادہ بڑھ جائے گی یا تیری جہالت بڑھ جائے گی۔ (جیسے فرمایا: شِفَاءُ الْعَيِّ السُّوال ''نہ جاننے کی شفا سوال پوچھنے میں ہے۔ تو اس سے مراد ''جہالت'' ہے) اور اگر ان غافلین پر اللہ کا عذاب آ گیا تو پھر وہ عذاب

تجھے بھی پہنچ کر رہے گا۔''

اس سے معلوم ہوا کہ ہمیں اللہ اللہ والی مجالس میں شریک ہونا چاہیے اور غفلت کی مجالس سے اپنے آپ کو الگ رکھنا چاہیے۔

◉ ..... مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

لَایَتَعَلَّمُ الْعِلْمَ مُسْتَحٍ وَ لَا مُسْتَكْبِرٍ

''شرمیلا بندہ اور متکبر بندہ علم حاصل نہیں کر سکتا۔''

علم حاصل کرنے کے لیے کچھ جھکنا ہی پڑھتا ہے۔

◉ ..... جب معاذ بن جبل ﷜ کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے وصیت کے رنگ میں ارشاد فرمایا:

ان العلم و الایمان مکانهما من التَّمَسهما وجدهما قال ذلك ثلاث مرات والتمسوا العلم عند اربعة رهط نمد عويمر ابى الدرداءِ و عند سلمان الفارسى ، و عند عبدالله بن مسعود، و عند عبد اللهِ بن سلام

''علم اور ایمان کی جگہیں ہوتی ہیں۔ جو ان جگہوں پر جاتا ہے اور ان کو ڈھونڈتا ہے وہ ان کو پالیتا ہے۔ تین مرتبہ انہوں نے یہی کہا۔ چار علما سے علم حاصل کرو (گویا ان کے زمانہ میں صحابہ ﷢ میں سے یہ چار صحابی عالم کی حیثیت رکھتے تھے اور لوگ مسائل پوچھنے میں ان کی طرف رجوع کرتے تھے)۔ ابی الدردا﷜ سے پوچھو۔ سلمان فارسی ﷜ سے علم حاصل کرو۔ عبداللہ بن مسعود﷜ سے علم حاصل کرنا اور عبداللہ بن سلام ﷜ سے علم حاصل کرنا۔''

غور کیجیے کہ معاذ بن جبل ﷜ اپنی وفات کے وقت وصیت فرماتے ہیں کہ میرے

بعد ان سے علم حاصل کرنا۔

☆......اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

كَانَ هٰذَا الْعِلْمُ كَرِيْمًا يَتَلَاقَاهُ الرِّجَالُ، فَلَمَّا دَخَلَ فِي الْكُتُبِ، دَخَلَ فِيْهِ غَيْرُ اَهْلِه

''یہ علم بڑا کریم تھا، لوگ ایک دوسرے سے علم حاصل کرتے تھے تو وہ کریم بنتے تھے (ان کی پرسنلٹی کرامت اور بزرگی والی ہوتی تھی)، لیکن جب یہ کتابوں میں داخل ہو گیا تو نااہل لوگ بھی اس میں شامل ہو گئے۔''

چنانچہ اب کچھ ایسے بھی ہیں جو کتابیں پڑھ لیتے ہیں، عقل کے بل بوتے پر الفاظ کو یاد کر لیتے ہیں اور اتراتے پھرتے ہیں۔

⊙......یہی امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ ایک اور موقع پر فرماتے ہیں:

اَلْعِلْمُ بِالتَّعَلُّمِ وَالْحِلْمُ بِالتَّحَلُّمِ

''علم پڑھنے پڑھانے سے آتا ہے اور حلم، تحلم سے آتا ہے۔''

چنانچہ جب انسان کا علم بڑھے تو اس کے ساتھ ساتھ اس کا حلم بھی بڑھنا چاہیے۔ حلم کو دوسرے لفظوں میں ''برداشت'' کہتے ہیں۔ تو جس بندے کا علم بڑھتا چلا جائے اس کی برداشت بھی بڑھتی چلی جانی چاہیے۔ ورنہ کئی مرتبہ ذرا سی بات پر آگے سے فتوؤں کی زبان شروع ہو جاتی ہے۔ اگلے کا ایک لفظ بھی برداشت نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی ان دونوں صفتوں کو قرآن پاک کی ایک آیت میں جمع کیا ہے۔ ارشاد فرمایا:

﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَلِيْمًا﴾

تو جب علم اور حلم اکٹھے ہو جاتے ہیں تو ان میں خوب صورتی آجاتی ہے۔ لہٰذا عالم بھی ہو اور پھر ظرف بھی بڑا ہو۔ قوت برداشت بھی بڑی ہو۔

⊙......ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

لَا یَزَالُ النَّاسُ بِخَیْرٍ مَا اَتَاهُمُ الْعِلْمُ مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَ مِنْ اَكَابِرِهِمْ ، فَاِذَا جَاءَ الْعِلْمُ مِنْ قِبَلِ اَصَاغِرِهِمْ فَذٰلِكَ حِيْنَ هَلَكُوْا

''انسانوں سے خیر ختم نہیں ہوسکتی، جب تک وہ علم حاصل کریں گے نبی علیہ السلام کے صحابہ ﷺ اور اپنے بڑوں سے۔ پھر جب علم چھوٹوں کی طرف آنا شروع ہو جائے گا تو یہ وقت ہوگا جب وہ ہلاک ہو جائیں گے۔''

آج کچھ ایسے بھی لوگ ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ جی! ہم کسی کی نہیں مانتے۔ ہمیں کہتے ہیں کہ یہ تو مان کر چلتے ہیں۔ الحمدللہ! وہ اپنے بارے میں کہتے ہیں: جی! ہم نہیں مانتے کسی کی۔ ہم کسی کی تقلید نہیں کرتے۔ یہ چھوکرے قسم کے اور نوجوان قسم کے لوگ ہیں۔ یہ الفاظ اور حروف کے اندر غور کر کے نئے نئے مطلب نکالتے پھرتے ہیں۔ یہ لوگوں کو کنفیوز کرتے ہیں۔

چنانچہ ایسے بندے کی بات نہیں سننی چاہیے جو آئے اور یہ کہے: جی! میں نے اس حدیث کو یوں سمجھا ہے۔ کیونکہ وہ شخص فتنے میں پڑ چکا ہوتا ہے۔ حدیث کو سمجھیں اپنے اکابر کے طرز پر جیسے انہوں نے سمجھا۔

بیرون ملک میں ایک نوجوان میرے پاس آیا۔ کہنے لگا: آپ بھی حنفی ہیں! میں نے کہا: الحمدللہ! میں حنفی ہوں۔ وہ کہنے لگا: جی! میں نے تو پڑھا ہے کہ ابوحنیفہ کو سات حدیثیں آتیں تھیں۔ میں نے کہا: واہ بھئی واہ! پہلے تو میں صرف حنفی تھا، اب میں تمہاری بات سن کر پکا حنفی بن گیا ہوں۔ وہ کہنے لگا: جی! آپ مذاق کر رہے ہیں، بتائیں! کیا مسئلہ ہے؟ میں نے کہا: دیکھیں! اس بات پر تو دنیا متفق ہے کہ امام ابو حنیفہ نے اپنی زندگی میں ساڑھے چھ لاکھ مسائل سے استنباط کروایا۔ ان کو جمع کروایا۔

کہنے لگا: ہاں! یہ تو ٹھیک ہے۔ میں نے کہا: جو بندہ سات حدیثوں میں سے ساڑھے چھ لاکھ مسائل کو نکالے، میں اس کو امام نہ مانوں تو اور کیا کروں؟

علم کے حصول کے لیے یہ اَکَابِرِھِم کا لفظ یاد رکھیے۔ اس لیے کہ جو اپنے اکابر کے ساتھ جڑا رہتا ہے وہ فتنوں سے بچا رہتا ہے۔ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

اَلْبَرَکَةُ مَعَ اَکَابِرِکُمْ

''برکت، بڑوں کے ساتھ جڑے رہنے میں ہے۔''

آج تو انٹرنیٹ سے دین سیکھنے کا وقت آ گیا ہے۔ اگر آج پوچھیں کہ کیا کر رہے ہو، تو آگے سے جواب ملتا ہے: جی میں علم پڑھ رہا ہوں۔ جی! کہاں سے علم پڑھ رہے ہو؟ جی! انٹرنیٹ سے۔ اب آپ خود بتائیں کہ جو بندہ انٹرنیٹ سے علم پڑھے گا، اسے صحابہ ﷺ اور دوسرے اکابر سے کیا نسبت حاصل ہوگی؟

علم پر عمل کرنا......اکابرین کی نظر میں:

علم پر عمل کرنا، یہ اس سے اگلا قدم ہے۔ چنانچہ جب انسان علم حاصل کرتا ہے اور اسے عملی صورت میں ڈھال لیتا ہے، وہ اللہ رب العزت کے اور زیادہ قریب ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ علم حاصل کرنے کا مقصد بھی یہی ہوتا ہے کہ اس پر عمل کر کے اللہ رب العزت کا قرب حاصل کیا جائے۔

⊙......حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

یٰاَیُّھَا النَّاسُ تَعَلَّمُوْا فَمَنْ عَلِمَ فَلْیَعْمَلْ

''اے لوگو! تم علم حاصل کرو۔ جو علم حاصل کرے گا وہی اس پر عمل کر سکے گا۔''

⊙......اور یہ بھی فرماتے ہیں:

''تم دوسروں کو نصیحت اس وقت تک مت کرو جب تک کہ اپنے کو نصیحت نہ

کرو (آگے کیا خوب صورت بات کہی، فرماتے ہیں) تم محنت کرو علم کی طلب میں اور اس کی سمجھ حاصل کرنے میں۔ اس لیے کہ تمہیں پتہ چل جائے کہ تم پر واجب کیا ہے۔ (گویا پڑھنے کا اصل مقصد یہ ہے کہ بندے کو پتہ چل جائے کہ مجھے کیا کرنا ہے) اور علم حاصل کرنے سے پتہ چل جائے کہ شیطان کیسے انسان کو دھوکا دے سکتا ہے اور کیسے اس سے بچا جا سکتا ہے۔ اور (علم حاصل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ) تمہیں برائی کا پتہ چل جائے جس کی طرف تمہارا نفس کھینچتا ہے تا کہ تم نفس کے اس مکر سے بچ کر نفس کو برائی سے بچا سکو۔''

دیکھیں! یہاں اپنے آپ کو نصیحت کرنے کی بات ہے۔ یہ اللہ کے محبوب ﷺ کی سنت ہے۔ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

((اُوْصِیْ نَفْسِیْ اَوَّلًا وَ اِیَّاكَ بَعْدَهٗ))

''میں اپنے نفس کو پہلے نصیحت کرتا ہوں، پھر اس کے بعد تمہیں نصیحت کرتا ہوں۔''

بندہ اپنے آپ کو ہرگز نہ بھولے۔ صرف یہی فکر نہ ہو کہ لوگ یہ نہیں کرتے بلکہ اپنی بھی فکر کرے۔ ورنہ اس کا مطلب تو یہ ہو گا کہ اوروں کو نصیحت اور خود میاں فضیحت۔ فرمایا کہ ایسے مت بنو۔

⊙ ...... فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''جس بندے کو علم عطا کیا گیا، اور پھر اس بندے کے اندر خوف، حزن اور رونا دھونا نہیں بڑھا، وہ اس لائق ہے کہ اس کو علم نہ عطا کیا جاتا۔ اس کے بعد یہ آیت تلاوت کی:

اَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ تَعْجَبُوْنَ ۝ وَ تَضْحَكُوْنَ ۝ وَلَا تَبْكُوْنَ ۝

(النجم:٦٠)

''کیا تم اسی بات سے تعجب کرتے ہو، اور ہنستے ہو اور روتے نہیں''

علم حاصل کرنے کا مقصد ہی یہی ہوتا ہے کہ انسان کے اندر خوف بڑھے، حزن بڑھے اور رونا دھونا آئے

......خوف بڑھے، اپنے گناہوں سے

......حزن بڑھے، اپنے اعمال کی قبولیت کے نہ ہونے پر، اور

......رونا دھونا بڑھے، اپنے انجام کے بارے میں

اگر علم کے ساتھ ساتھ یہ تین چیزیں نہیں بڑھ رہیں تو فرماتے ہیں کہ بہتر یہ تھا کہ اس بندے کو علم ہی نہ عطا کیا جاتا۔

⊙......حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانے کے لوگوں کے بارے میں فرماتے ہیں:

قَدْ كَانَ الرَّجُلَ يَطْلُبُ الْعِلْمَ فَلَا يَلْبَثُ اَنْ يُرٰى ذٰلِكَ فِي تَخَشُّعِهٖ وَهَدْيِهٖ وَلِسَانِهٖ وَ بَصَرِهٖ وَيَدَيْهِ

''جب کوئی بندہ علم طلب کرتا تھا تو دیر نہیں لگتی تھی، یعنی اس علم کا اثر نظر آتا تھا۔ اس کے خشوع (کی زیادتی) میں اور اس کی سیرت کے اندر (اس کے آثار نظر آتے تھے)، اور اس کی گفتگو میں (اس کے آثار نظر آتے تھے)، اور اس کی نگاہوں میں (علم نظر آتا تھا) اور اس کے دونوں ہاتھوں کی حرکات میں (علم نظر آتا تھا)۔''

ہمارے اکابر جب علم حاصل کرتے تھے تو وہ فوراً عمل میں ٹرانسفر ہو جاتا تھا۔

⊙......ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

اَفْضَلُ الْعِلْمِ الْوَرَعُ وَ التَّفَكُّرُ

''افضل علم وہی ہے جس میں ورع اور تقویٰ ہو اور (دین کے اندر) سوچ بچار کرنا ہو۔''

⊙ ......اور فقیہ کے بارے میں ارشاد فرماتے تھے:

اَلْفَقِيْهُ الْعَالِمُ فِيْ دِيْنِهٖ ،الزَّاهِدُ فِي دُنْيَاهُ،اَلدَّائِمُ عَلٰى عِبَادَةِ رَبِّهٖ

''فقیہ دین میں عالم ہوتا ہے، دنیا میں زاہد ہوتا ہے اور اللہ کی عبادت مستقل مزاجی سے کرتا ہے۔''

فقیہ کے بارے میں نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

((فَقِيْهٌ وَاحِدٌ اَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنْ اَلْفِ عَابِدٍ))

''ہزار عبادت گزاروں کی نسبت ایک فقیہ، شیطان کے اوپر زیادہ بھاری ہوتا ہے۔''

یہی وہ فقاہت ہے جس کے بارے میں اللہ کے حبیب ﷺ نے اپنے صحابہ کو دعائیں دیں۔ ایک صحابی ؓ کے بارے میں فرمایا:

((اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ))

کیا یہ تین نشانیاں ہمیں اپنے اندر نظر آتی ہیں؟ کہ دین کا علم آئے تو زہد الدنیا بھی آئے۔ دنیا کی طلب گھٹنے کی بجائے الٹا بڑھ جاتی ہے۔ ایک شادی ہوتی ہے اور دوسری کا شوق پیدا ہو جاتا ہے، پھر دوسری ہوتی ہے تو تیسری کا شوق پیدا ہو جاتا ہے۔ کیا علم کے ساتھ یہی زہد بڑھتا جا رہا ہے؟ پہلے تہجد کی پابندی ہوتی تھی اب مشکل سے فجر کی نماز ہوتی ہے۔ کیا خشوع بڑھتا جا رہا ہے؟ کیا ہو رہا ہے؟ ہمیں غور کرنا چاہیے کہ ہمارے پاس علم نافع ہے یا اس کی بجائے فقط معلومات ہیں۔ یاد رکھیں! معلومات انسان کی مغفرت نہیں کروا سکیں گی۔ معلومات رکھنے والا بندہ قیامت کے دن انبیا کی وراثت میں شامل نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ علم کا نور رکھنے والا شامل کیا جائے گا۔ انبیا کی فکر رکھنے والا شامل کیا جائے گا۔ انبیا کی سنتوں کی جمع کرنے والا اور دل میں خوف خدا رکھنے والے بندے کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن عُلَمَاءُ اُمَّتِيْ كَاَنْبِيَاءِ

بَنِیْ اِسْرَائِیْل کا مصداق بنا دیں گے۔

☆......یہی حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''جو عالم علم کی بجائے اور عمل کرتا ہے وہ ایسا ہے جیسے راستے کی بجائے ہٹ کے کسی راستے پر چل رہا ہوتا ہے۔اور جو علم کے بغیر عمل کرنے والا ہوتا ہے وہ اتنی اصلاح نہیں کر پاتا جتنا وہ فساد برپا کر دیتا ہے۔علم حاصل کرو جس سے تمہاری عبادت کا نقصان نہ ہو اور عبادت اتنی کرو کہ علم حاصل کرنے میں کوئی ضرر نہ ہو۔وہ لوگ جنہوں نے علم کو حاصل کرنا چھوڑ دیا اور وہ عبادت میں ہی لگ گئے حتی کہ ایسا وقت آ گیا کہ امت محمد ﷺ پر تلواریں لے کر نکل پڑے۔''

جیسے خوارج۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ تم ان کی نمازوں کو دیکھو گے تو ان کو اپنی نمازوں سے بہتر پاؤ گے۔تم ان کے روزے دیکھو گے تو اپنے روزوں سے بہتر پاؤ گے۔

⊙......ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

علمت علما فلیر علیك اثره و سمته و سکینته و وقاره و حلمه ، و قال :ان العلماء لم یکونوا یهذرون الکلام هکذا، و من الناس من یتکلم کلام شهر فی ساعة و احدة

''جب تو علم حاصل کرے تو تیرے اوپر اس کا اثر اور اس کی علامات بھی نظر آنی چاہئیں،طبیعت کے اندر سکینہ محسوس ہو،وقار محسوس ہو،حلم محسوس ہو۔اور فرمایا:بے شک علما فضول گوئی سے اپنے آپ کو روکتے ہیں اور عوام الناس کا یہ حال ہوتا ہے کہ وہ ایک مہینے کی گفتگو ایک گھنٹے میں کر دیتا ہے۔''

عالم ہمیشہ محتاط گفتگو کرتا ہے۔وہ ''پہلے تولو اور پھر بولو'' پر عمل کرتا ہے۔اور جو جاہل ہوتا ہے اس کی زبان قینچی کی طرح چل رہی ہوتی ہے۔بولنے کے بعد اس کو پتہ

چلتا ہے کہ میں کیا کہہ گیا ہوں۔ چنانچہ بعض لوگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ بات چیت میں گالیاں دیتے ہیں۔ جب انہیں کہا جاتا ہے: بھئی! تم گالیاں نہ دو۔ وہ کہتا ہے: اچھا! میں نے گالی دی ہے؟ گویا زبان اتنی آٹو میٹک بن گئی ہے۔...... آج کل آٹومیشن کا دور ہے نا...... تو جاہل کی زبان اتنی آٹو میٹک بن جاتی ہے کہ گالی بھی دے دیتے ہیں تو بے چاروں کو پتہ ہی نہیں چلتا۔ غیبت کر جاتے ہیں، الزام تراشی کر جاتے ہیں، بہتان لگا دیتے ہیں، لیکن ان کو پتہ ہی نہیں چلتا۔ اپنی زبان کو اتنا بے لگام مت بنائیں۔ اس زبان کو کون روکے گا؟ علم روکے گا۔ وہ انسان کو بتائے گا کہ آج کس کو کمینہ کہنا، ذلیل کہنا، بے ایمان کہہ دینا بہت آسان ہے، لیکن جب قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ ثابت کرو کہ تم نے اسے بے ایمان کیوں کہا، تم نے کمینہ کیوں کہا، تم نے ذلیل کیوں کہا، تو اس دن پھر لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔

⊙ ...... ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ مصری فرماتے ہیں:

كان الرجل من اهل العلم يزداد بعلمه بغضا للدنيا و تركا لها، فاليوم يزداد الرجل بعلمه للدنيا حبا و طلبا، و كان الرجل ينفق ماله على العلم، و اليوم يكتسب الرجل بعلمه مالا، و كان يرى علىٰ كثير من اهل العلم فساد الباطن و الظاهر

"پہلے اہل علم کا علم کی وجہ سے بغضِ دنیا اور ترکِ دنیا کا جذبہ بڑھتا تھا اور آج علم سے دنیا کی محبت اور طلب بڑھتی ہے۔ پہلے آدمی اپنا مال علم پر خرچ کرتا تھا اور آج علم کے ذریعے کماتا ہے۔ اور آج بہت سے علما پر ظاہری و باطنی فساد نظر آتا ہے"

⊙ ...... عمرو بن حارث فرماتے ہیں:

اِنَّ رَجُلًا كَتَبَ اِلٰى اَخٍ لَهٗ: اِعْلَمْ اَنَّ الْحِلْمَ لِبَاسُ الْعِلْمِ فَلَا تَعْرَيَنَّ

مِنْهُ

''ایک بندے نے اپنے بھائی کو خط لکھا اور کہا: حلم، علم کا لباس ہے، اپنے علم کو کبھی ننگا نہ کرنا''

اور آج حلم کا کیا حال ہے۔ علم بھی ہوتا ہے اور ذرا ذرا سی بات پر بیوی کو گالیاں بھی دے رہے ہوتے ہیں۔ یہ بھی نہیں کہ کسی عام لفظ سے گالیاں دے رہے ہوتے ہیں بلکہ ننگی گالیاں دے رہے ہوتے ہیں۔ ہمیں بسا اوقات ایسے خطوط ملتے ہیں کہ جن میں اپنے عالم خاوند کے طرف سے ان کی اہلیہ پریشان ہو کر کہتی ہیں کہ یہ مجھے ماں بہن کی ننگی گالیاں دیتے ہیں۔ حالت یہ ہے کہ علم بھی پڑھا ہوا ہوتا ہے۔ ذرا ذرا سی بات پر بیوی کو طلاق دینے کی دھمکی ملتی ہے۔ بس ایک ہی لمحے میں زبان پر طلاق کا لفظ لے آتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے اندر علم تو ہے مگر حلم نہیں ہے۔ قوت برداشت نہیں ہے۔ نکمی، چھوٹی اور معمولی باتوں پر گھر کا ماحول خراب کر دیتے ہیں۔

⊙...... احمد بن سعید دارمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

سَمِعْتُ مِنْ عَلِيِّ بْنِ الْمَدِيْنِيِّ كَلِمَةٍ اَعْجَبَتْنِي قَرَاَ عَلَيْنَا حَدِيْثَ الْغَارِ ، ثُمَّ قَالَ: اِنَّمَانُقِلَ اِلَيْنَا هٰذِهِ الْاَحَادِيْثُ لِنَسْتَعْمِلَهَا لَا لِنَتَعَجَّبَ مِنْهَا

''میں نے علی بن مدینی سے ایک ایسی بات سنی جس نے مجھے حیران کر دیا۔ انہوں نے ہمیں حدیثِ غار سنائی (کہ بنی اسرائیل کے تین بندے غار میں پھنس گئے) پھر فرمایا: یہ احادیث ہمارے لیے نقل کی گئی ہیں کہ ہم ان پر عمل کریں، اس لیے نہیں کہ پڑھ کر تعجب کریں۔''

یہ علی بن مدینی رحمۃ اللہ علیہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ تھے۔ امام بخاری

رحمۃ اللہ علیہ کو ان سے اتنی محبت تھی کہ کسی نے پوچھا: آپ کے دل کی حسرت کیا ہے؟ تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: علی بن مدینی ہوں، حدیث پڑھ رہے ہوں اور میں سن رہا ہوں، میرے دل کی بس یہی حسرت ہے۔

⊙......عطا بن یسار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مَا اُوْتِیَ شَیْءٌ اِلٰی شَیْءٍ اَزْیَنَ مِنْ حِلْمٍ اِلٰی عِلْمٍ

"کسی بندے کو کوئی چیز اس سے زیادہ اچھی نہیں ملی کہ اس کو علم کے ساتھ اللہ تعالیٰ حلم عطا فرمادیں۔"

⊙......مسروق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

بِحَسْبِ الرَّجُلِ مِنَ الْعِلْمِ اَنْ یَخْشَی اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ وَ بِحَسْبِ الرَّجُلِ مِنَ الْجَهْلِ اَنْ یُعْجَبَ بِعِلْمِهٖ

"کافی ہے بندے کے لیے علم سے کہ وہ اللہ سے ڈرنے والا بن جائے اور جاہل کے لیے یہی بات کافی ہے کہ وہ اپنے علم پر عجب کرنے لگ جائے۔"

⊙......ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

اِنِّیْ لَاَحْسَبُ الرَّجُلَ یَنْسَی الْعِلْمَ كَانَ یَعْلَمُهٗ بِالْخَطِیْئَةِ یَعْمَلُهَا

"میں گمان کرتا ہوں کہ بندہ جو علم حاصل کرتا ہے اور اسے بھول جاتا ہے وہ اس کے عمل کی کسی کوتاہی کی وجہ سے ایسا ہوتا ہے۔"

کوئی نہ کوئی کام خلافِ شریعت کیا ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ نسیان کا مریض بن جاتا ہے۔ لہٰذا جہاں عصیان ہوگا وہاں نسیان ہوگا۔ طلبا جو یہ شکایت لے کر آتے ہیں کہ جی سبق بھول جاتے ہیں، ان کے بھولنے کی عمومی وجہ کیا ہوتی ہے؟ آنکھ کا پرہیز نہیں ہوتا، زبان کا پرہیز نہیں ہوتا، دوسروں کی چیزیں بغیر اجازت استعمال کر لیتے ہیں، فضول گوئی کی عادت ہوتی ہے۔ کوئی نہ کوئی ایسا مسئلہ ہوتا ہے جو علم سے محرومی کا

سبب بن رہا ہوتا ہے۔لہٰذا اگر ہم اپنے علم کی حفاظت کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں چاہیے کہ ہم اس علم پر عمل کریں تا کہ یہ علم محفوظ ہو جائے۔

اخلاص......اکابرین امت کی نظر میں:

صرف عمل کرنے سے ہی کام ختم نہیں ہو جاتا، آگے بھی ایک قدم ہے۔وہ قدم کونسا ہے؟ کہ جو عمل کریں وہ شہرت کے لیے نہیں، دکھاوے کے لیے نہیں، یا اس لیے نہیں کہ لوگ کیا کہیں گے، بلکہ صرف اللہ کی رضا کے لیے کریں۔یہ مصیبت آج کل بہت عام ہے کہ نیکی بھی کرتے ہیں تو اس نیت سے کرتے ہیں کہ نہ کی تو لوگ کیا کہیں گے۔بھئی! اگر نیکی کر ہی رہے ہیں تو کم از کم یہ تو اللہ کے لیے کر لیتے۔کئی تو نماز ہی اس لیے پڑھتے ہیں کہ اگر میں نے قضا کر دی تو اعتراض ہوگا۔جب دل کی یہ حالت ہو کہ علم ہونے کے باوجود فرض نمازیں بھی قضا ہوں تو پھر اس بندے کو اپنے دل کی حالت پر رونے کی ضرورت ہے۔اس کا جسم ایک قبر ہے اور اس کا دل ایک مردہ ہے جو اس قبر کے اندر مدفون ہے۔

⊙......محمد بن فضل سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''کتنے جاہل تھے، انہوں نے علم حاصل کیا اور علم نے ان کو نکال لیا۔اور کتنے عمل کرنے والے ایسے تھے کہ انہوں نے عمل کیا اور عمل نے ان کو ہلاک کر دیا (اس لیے کہ وہ عمل، علم کے بغیر تھا) علم کا استحضار رکھو اور تم اپنی نیت اس کے مطابق بناؤ (اگر علم کا استحضار نہیں ہوگا تو عمل کرتے ہوئے تم نیت بھی نہیں کر سکو گے۔) اور سب سے پہلے انسان کی حقیقت کا اظہار اس کی زبان سے ہوتا ہے (ایک بندہ چپ بیٹھا ہو تو آپ کو کیسے پتہ چلے گا یہ مفتی صاحب ہیں، یا عالم ہیں یا جاہل ہیں۔شکل سے تو نہیں پتہ چلتا۔لیکن جب بولے گا تب پہچانا جائے گا۔حضرت علی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: تم بات کرو، پہچانے جاؤ

گے۔ بعض اوقات فرماتے تھے: المرء تحت لسانہ ''بندہ اپنی زبان کے نیچے چھپا ہوا ہوتا ہے۔'' جاہل جیسے ہی بولتا ہے تو ایسے پھول جھڑتے ہیں کہ پتہ چل جاتا ہے کہ وہ جاہل ہی تھا)۔ اور اس کی عقل سے سب سے پہلے اس کے حلم کا اظہار ہوتا ہے۔ (اس کے حلم سے پتہ چلتا ہے کہ وہ کتنا عقلمند ہے)۔''

لہٰذا جس میں حلم ہے وہ عقلمند ہے اور جو محتاط گفتگو کرتا ہے وہ عالم ہے۔ اگر ایسا نہیں تو پتہ چل جائے گا کہ اس بندے کے اندر عقل کی رتی ہی نہیں ہے۔ بہر حال! بندے کو علم حاصل کرنا چاہیے۔ کیونکہ علم کی برکت انسان کو کبھی نہ کبھی نیت کے ٹھیک کرنے پر مجبور کر دیتی ہے۔

⊙ ...... حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

لَقَدْ طَلَبَ اَقْوَامٌ الْعِلْمِ اَرَادُوْا بِهِ اللّٰهَ وَلَا مَا عِنْدَهُ، قَالَ :فَمَا زَالَ بِهِمُ الْعِلْمُ حَتّٰى اَرَادُوْ بِه اللّٰهَ وَ مَا عِنْدَهُ

''اقوام نے علم طلب کیا اور اس علم کے حاصل کرنے میں ان کی نیت اللہ کی منشاء حاصل کرنا نہیں تھی۔ ان کا علم زائل نہیں ہوا، حتیٰ کہ علم کے زائل ہونے سے پہلے ان کی نیت بدل گئی کہ ہمیں اللہ کے پاس جو نعمتیں ہیں وہ چاہئیں۔''

تو معلوم ہوا کہ اگر طالب علم کو اپنی نیت ٹھیک نظر نہ بھی آتی ہو، پھر بھی علم کی طلب میں لگے رہنا چاہیے۔ اس علم کی برکت سے ہی اللہ تعالیٰ نیت کو ٹھیک کر دیں گے۔

⊙ ...... بعض مشائخ نے یہ فرمایا:

مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَمْ يَزَلْ مُعَاناً ، وَ مَنْ طَلَبَهُ لِغَيْرِ اللّٰهِ لَمْ يَزَلْ مُهَاناً

''جو اللہ کی رضا کے لیے علم حاصل کرتا ہے اس کی مدد کبھی ختم نہیں ہوتی، (اللہ

ے خزانوں سے اس کی مدد ہوتی رہتی ہے۔ جب وہ اللہ کی رضا کے لیے علم
حاصل کرتا ہے تو وہ ہر اعتبار سے اللہ کی Moral Sport اور اللہ کی
Financial Sport (مالی نصرت) اور جو بندہ اللہ کی رضا کے علاوہ علم
حاصل کرتا ہے تو اس کی ذلت کبھی ختم نہیں ہوتی۔"

علم کا موضوع:

علم کا موضوع، امتثالِ امر ہے۔ یعنی انسان علم اس لیے پڑھے کہ پتہ چلے کہ مجھے کرنا کیا ہے۔ اگر یہ نیت ہے تو علم ملے گا اور اگر فقط کتاب سمجھنی ہے اور لوگوں میں بیٹھ کر کہنا ہے کہ جی میں نے تو فلاں کتاب کو خوب سمجھ چکا ہوں تو وہ معلومات ہوں گی، علم نہیں کہلائے گا۔

زمانہ طالب علمی میں امتثال امر کا جذبہ:

جب نظام الملک طوسی نے مدرسہ نظامیہ بنایا تو اس نے بہت کوشش کی کہ طلبا کا معیار اچھا رہے۔ چنانچہ چند سالوں تک تو مدرسہ کا معیار بہت اچھا رہا۔ پھر ایک دن اسے اطلاع ملی کہ اب جو نئے نئے طالب علم آرہے ہیں وہ سارے ہی دنیا دار بننے والا ذہن رکھتے ہیں۔ چنانچہ اس نے سوچا کہ اگر یہ دنیا طلبی کے لیے علم حاصل کریں گے تو پھر کیا فائدہ ہوگا۔ لہٰذا میں ذرا جا کر جائزہ لیتا ہوں۔

چنانچہ مدرسہ کا جائزہ لینے کے لیے اس نے اپنا بھیس بدلا، عام بندوں والا لباس پہنا اور مدرسے میں آگیا۔ اس وقت وہ آپس میں تکرار کر رہے تھے۔ وہ ایک گروپ کے پاس گیا اور ان سے پوچھا: بھئی! کیا حال ہے؟ تم یہاں کیسے آئے ہو؟ ایک نے کہا: میرے والد مفتی اعظم ہیں، میں چاہتا ہوں کہ میں بھی علم حاصل کر کے مفتی اعظم بن جاؤں۔ دوسرے نے کہا: میرے والد صاحب خطیب شہر ہیں اور میں پڑھ کر اپنے

والد کی جگہ سنبھالوں گا۔تیسرے نے کہا:میرے والد بادشاہ کے مصاحب ہیں،کنسلٹنٹ ہیں،اور میں بھی چاہتا ہوں کہ علم حاصل کر کے میں بھی بادشاہ کا کنسلٹنٹ بن جاؤں۔الغرض جس نے بھی بات کی،از قسم دنیا بات کی۔جب اس نے یہ باتیں سنیں تو اس نے سوچا کہ جو پیسہ میں یہاں خرچ کرتا ہوں،بہتر یہ ہے کہ وہ کسی اور کار خیر میں خرچ کردوں اور یہ مدرسہ بند کردوں۔یہ ذہن بنا کر وہاں سے چل پڑا۔

جب وہ مدرسے کے مین گیٹ پر آیا تو ایک لڑکے کو دیکھا کہ اس نے الگ چراغ جلایا ہوا ہے اور کتاب کا مطالعہ کر رہا ہے۔یہ اس کے پاس گیا اور جا کر کہا:السلام علیکم!اس نے وعلیکم السلام کہا اور پڑھنا شروع کردیا۔اسے لفٹ ہی نہ کروائی۔یہ بڑا حیران ہوا کہ اس بچے نے تو ہمیں پوچھا ہی نہیں۔تو اس نے پوچھا:کیا بات ہے،ہم سے بات ہی نہیں کرتے؟اس نے آگے اسے کھرا سا جواب دیا۔جی!میں یہاں آپ سے باتیں کرنے تو نہیں آیا۔وہ اور بھی حیران ہو۔کہتا ہے:تو پھر آپ کیسے آئے ہیں؟اس طالب علم نے جواب دیا:میں یہاں اس لیے آیا ہوں کہ میں اپنے رب کو راضی کرسکوں۔میں اللہ کو راضی کیسے کروں،یہ علم مجھے ان کتابوں میں سے ملے گا،اس لیے میں بیٹھ کر یہ کتاب پڑھ رہا ہوں۔

جب نظام الملک طوسی نے یہ جواب سنا تو اس نے دل میں کہا:جب تک ایک طالب علم بھی یہاں پر ایسا ہے،میں مدرسہ بند نہیں کروں گا۔یہ وہ طالب علم تھا جو اپنے وقت کا امام غزالی بنا۔

ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات۔جو قدسی روحیں ہوتی ہیں ان کا بچپن لڑکپن سے ہی پتہ چل جاتا ہے۔ان کے آثار محسوس ہو جاتے ہیں۔زمانۂ طالب علمی ہی پتہ چل جاتا ہے۔اس لیے حضرت شیخ الحدیث ایک جگہ لکھتے ہیں کہ جو لوگ دین میں مقبول

ہونے والے لوگ ہوتے ہیں، زمانہء طالب علمی میں ہی ان کی حقیقت کھل جاتی ہے۔ وہ جو کچھ پڑھتے ہیں وہ اسی عمر سے ہی اس پر عمل کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ اور جس نے محروم ہونا ہوتا ہے اس کو شیطان چکر دیتا ہے کہ تم پہلے پڑھ لو، پھر اکٹھا عمل کرنا۔ بھئی! مدرسے کا ماحول میں، مسجد کے ماحول میں، اپنے اساتذہ کی برکت والے ماحول میں اگر عمل کی توفیق نہ ملی تو جب یہاں سے نکل کر دنیا کی ظلمت کے ماحول میں جائیں گے تو پھر عمل کی توفیق کہاں ملے گی۔ اس لیے طالب علم کو چاہیے کہ وہ زمانہ طالب علمی میں ہی ادھر پڑھے اور ادھر عمل کرے۔

صحابہ کرام ﷡ کی مثال:

صحابہ ﷡ کا بھی یہی عمل تھا۔ ایک آیت پڑھتے تھے اور اس پر عمل کرتے تھے، پھر اگلی آیت پڑھتے تھے اور عمل کرتے تھے۔ مثال کے طور پر حضرت ابو بکر صدیق ﷛ خود بھی عرب تھے، مادری زبان بھی عربی تھی، ان کو عربی سیکھنے کے لیے صرف ونحو کی بھی ضرورت نہیں تھی، قرآن مجید بھی عربی میں نازل ہوا تھا۔ عربی مبین۔ اس لیے ان کے لیے قرآن مجید کا ترجمہ کرنا کوئی مشکل نہیں تھا۔...... آج کل تو ایک مہینہ میں دورۂ تفسیر القرآن کروایا جاتا ہے۔...... حضرت ابو بکر صدیق ﷛ فرماتے ہیں: مجھے سورۂ بقرہ کے پڑھنے میں دو سال لگے۔ یہ دو سال کیوں لگے؟ اس لیے کہ ایک آیت پڑھتے تھے اور اس پر عمل کرتے تھے، پھر دوسری آیت پڑھتے تھے اور اس پر عمل کرتے تھے۔ ادھر قرآن مکمل ہوتا تھا اور ادھر ان کا عمل بالقرآن مکمل ہوتا تھا۔

اس نے نقوش سیکھے، علم نہیں:

آج کا طالب علم بھی اگر ایسا کرے گا تو اس کا علم، علمِ نافع بنے گا...... توجہ

فرمائیے گا۔ بات سخت ہے لیکن توجہ سے سنیے۔......اگر کوئی بندہ جوبیں گھنٹے حدیث پاک کی تحقیق کرتا ہے مگر نیت یہ نہیں کہ میرا رب مجھے سے کیا چاہتا ہے، تو اس نے نقوش کو تو حاصل کرلیا لیکن اس نے علم کو حاصل نہ کیا۔ الفاظ اور حروف تو اسے مل گئے مگر اس نے اپنے رب کی اطاعت نہیں کی۔ حدیث کو پڑھنا ہی اس نیت سے تھا کہ میں اس پر عمل کیسے کروں؟

علم کی کوئی حد نہیں:

علم کی کوئی حد نہیں ہے۔ بندہ ساری زندگی ہی علم کے حصول میں لگا رہتا ہے۔ علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ایک تفسیر ''خدائق ذات بھجۃ'' لکھی گئی۔ اس کی 1000 جلدیں تھیں۔ سورۃ فاتحہ پر 25 جلدیں تھیں۔ اور تسمیہ (بسم اللہ) پر 5 جلدیں تھیں۔ تو اگر انسان علم کے حصول میں ساری عمر ہی لگا رہے تو یہ علم پھر بھی مکمل نہیں ہوگا۔ یاد رکھیں! علم کے اس سمندر میں اگر قدم ڈالنا ہے تو عمل کے کشتی کو ساتھ لیجیے، اس کے بغیر ڈالو گے تو اس کے سمندر کے اندر تم ڈوب جاؤ گے۔

عالم کا دل جاہل!......مگر کیسے؟

علم وہ ہوتا ہے جس سے بندے کی جہالت دور ہو۔ اگر جہالت دور نہ ہوئی ہو تو زبان عالم ہوگی اور دل جاہل ہوگا۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے کیا فرمایا:

﴿اَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰهُ﴾

''کیا آپ نے دیکھا اسے جس نے اپنی خواہشات کو اپنا معبود بنالیا؟''

﴿وَ اَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ﴾ (الجاثیۃ: ۲۳)

''اور اللہ نے علم کے باوجود اسے گمراہ کردیا''

جی ہاں! بعض اوقات بندہ علم کے باوجود بھی گمراہ ہوجاتا ہے۔ جیسے سگریٹ

پینے والا بندہ سگریٹ کے نقصانات کو جانتا ہے۔ بچوں کو بیٹھ کر بتاتا بھی ہے کہ ہم تو اس بری عادت میں پڑ گئے، لیکن تم سگریٹ مت پینا۔ سگریٹ بنانے والی کمپنی بھی ڈبیا کے اوپر لکھ دیتی ہے ''سگریٹ نوشی مضرِ صحت ہے''۔ اب علم تو سب کو ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود جب وہ بندہ کھانا کھاتا ہے تو کھانے کے بعد اس کے اندر ایک ایسی طلب پیدا ہوتی ہے کہ وہ رد نہیں کر سکتا اور پھر سگریٹ پیتا ہے۔ یہ ہے علم کے باوجود گمراہ ہونا۔

علم کیسے محفوظ ہوتا ہے؟

علم وہی محفوظ ہوتا ہے جو عمل میں آ جائے۔

اَلْعِلْمُ صَیْدٌ وَ الْعَمَلُ قَیْدٌ

''علم شکار ہے اور عمل اس شکار کو قید کرنے کی مانند ہے۔''

اس لیے علم کو عمل کے سانچے میں ڈھالنا چاہیے۔ پھر وہ عمل شریعت کے مطابق بھی ہونا چاہیے۔ اگر کسی خط پر پوسٹ آفس کی Stamp (مہر) نہ لگی ہوئی ہو تو کیا وہ منزل تک پہنچ جاتا ہے؟ نہیں۔ جس طرح سٹیمپ (مہر) کے بغیر خط منزل پر نہیں پہنچتا۔ اسی طرح سنت کی سٹیمپ کے بغیر کسی بندے کا عمل اللہ کی رضا والی منزل پر نہیں پہنچ سکتا۔ تو جو کچھ بھی ہم پڑھیں اس کو عملی شکل میں ڈھالیں اور عمل سے مقصود اللہ تعالیٰ کی رضا ہو۔

علم اجر کی چیز ہے، اجرت کی نہیں:

علم اجر کی چیز ہے اجرت کی چیز نہیں۔ یہ ایسی چیز نہیں کہ بندہ اس پر اجرت تلاش کرتا پھرے۔ انبیائے کرام نے اپنے صحابہ کو علم کیسے دیا؟ فرماتے تھے:

﴿یٰقَوْمِ لَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا﴾

وہ یہ بھی فرماتے تھے:

﴿اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ﴾

''اجر تو مجھے اللہ نے دینا ہے''

البتہ بندے کا جو رزق ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ اسے پہنچا کے رہتے ہیں۔ جیسے بھی ہو جائے مل جاتا ہے۔

عمل پیش کرنے پر نصرتِ خداوندی:

اگر اللہ تعالیٰ کے حضور اپنا علم پیش کریں گے تو پھر اللہ تعالیٰ قبولیت فرما کر مدد بھی فرما دیں گے۔

قرآن مجید سے دلیل:

قرآن اس کی دلیل ...... علمی نکتہ ...... قرآن مجید میں سورۃ فاتحہ میں ہم کیا پڑھتے ہیں؟

اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْن

تو پہلے کس چیز کو پیش کیا؟ عمل کو، اور پھر کیا مانگا؟ مدد مانگی۔ مطلب یہ ہے کہ عمل پیش کرو گے تو اللہ کی مدد بھی تمہیں حاصل ہو جائے گی۔ عمل کے بغیر اگر مدد مانگیں گے تو پھر مدد نہیں ملے گی۔

حدیث مبارکہ میں دلیل:

بخاری شریف کی روایت ہے کہ تین آدمی سفر پر چلے تھے۔ وہ ایک مصیبت میں پھنس گئے۔ انہوں نے اپنے عمل کو اللہ کے سامنے پیش کیا اور اللہ نے مدد فرما دی۔

حدیث مبارکہ ہے:

((حدثنا سعيد بن ابی مریم قال حدثنا اسماعیل بن ابراهیم بن عقبة قال اخبرنی نافع عن ابن عمر عن رسول اللهﷺ قال بینما ثلثةُ نفرٍ یتماشون اخذهم المطر فمالوا الیٰ غار فی الجبل فانحطت علیٰ فم غارهم صخرة من الجبل فأطبقت علیهم فقال بعضهم لبعض انظروا اعمالا عملتموها لله عز و جل صالحة فادعوا الله بها لعله یفرجها فقال احدهم اللهم انه كان لی والدان شیخان كبیران ولی صبیة صغار كنت ارعیٰ علیهم فاذا رحت علیهم فحلبت بدأتُ بوالدی أسقیهما قبل ولدی و انه نایٰ بی الشَّجَر یوما فما اتیت حتّٰی امسیت فوجدتهما قد ناما فحلبت كما كنت احلب فجئت بالحلاب فقمت عند رؤوسهما اكره ان اوقظهما من نومهما و اكره ان ابدا بِالصِّبِيَّةُ قبلهما و الصیبة یتضاغون عند قدمی فلم یزل ذلك دأبی و دأبهم حتّٰی طلع الفجر فان كنت تعلم انی فعلت ذلك ابتغاء وجهك فافرج لنا فرجة نریٰ منها السماء ففرج الله لهم حتّٰی یرون منها السماء و قال الثانی اللهم انه كانت لی بنت عم احبها كأشد ما یحب الرجال النساء فطلبت الیها نسها فابت حتیٰ اٰتیهَا بمائة دینار فسعیت حتی جمعت مائة دینار فلقیتها بها فلما قعدت بین رجلیها قالت یا عبدالله اتق الله ولا تفتح الخاتم فقمت عنها اللهم فان كنت تعلم انی فعلت ذلك ابتغاء وجهك فافرج لنا منها ففرج لهم فرجة و

قال الاخر اللهم انی کنت استأجرت اجیرا بفرق ارز فلما قضٰی عملہ قال اعطنی حقي فعرضت علیہ حقہ فترکہ و رغب عنہ فلم ازل ازرعہ حتّٰی جمعت منہ بقرا و راعیھا فجائنی فقال اتق اللہ و لا تھزأ بی فقلت انی لا اھزا بك فخذ تلك البقر وراعیھا فاخذھا فانطلق بھا فان کنت تعلم انی فعلت ذلك ابتغاء وجھك فافرج ما بقی ففرج اللہ عنھم

’’بیان کیا ہم سے سعید بن ابی مریم نے، وہ فرماتے ہیں کہ بیان کیا ہم سے اسماعیل بن ابراہیم بن عقبہ نے، وہ فرماتے ہیں: بیان کیا مجھ سے نافع نے ابن عمرؓ سے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ایک مرتبہ تین بندے پیدل چل رہے تھے، ان کو بارش نے گھیر لیا۔ وہ ایک پہاڑ کی غار کی طرف مائل ہو گئے (اور انہوں نے غار میں پناہ لے لی)۔ ایک چٹان پہاڑ کے اوپر سے گرتی ہوئی آئی اور اس غار کے منہ کے اوپر آکر بالکل فٹ ہو گئی (جس سے نکلنے کا راستہ ہی نہیں تھا)۔ چنانچہ انہوں نے ایک دوسرے سے کہا: تم اللہ کے سامنے اپنے وہ اعمال پیش کرو جو تم نے اللہ کے لیے کیے ہوں، ہو سکتا ہے کہ (اس سے اللہ مدد فرمائے اور) تمہارے لیے اللہ راستہ کھول دے۔ (ورنہ تو ان کو موت نظر آرہی تھی) اس لیے کہ نہ تو وہ اسے زور سے نکال سکتے تھے اور نہ ہی باہر نکل سکتے تھے، بس تڑپ تڑپ کر مر جائیں گے۔ اب دیکھیں کہ ایسی مایوسی اور اضطراب کی حالت میں وہ کیا فیصلہ کرتے ہیں کہ اللہ کے حضور اپنا کوئی عمل پیش کرو۔ آج ہم سوچیں کہ جب ہم پر کوئی پریشانی آتی ہے، تو کوئی ہے ہماری زندگی میں کوئی ایسا عمل جو ہم نے خالصتاً اللہ کے لیے کیا ہو۔...... اللہ اکبر...... اس عاجز کو تو اپنی زندگی میں ایسا کوئی عمل نظر نہیں آتا جو اللہ کے سامنے پیش کرنے کے قابل ہو۔ ہم تو ناچیز، تہی دل

کے قابل نہیں ہیں۔ یہ پکی بات ہے۔اس میں کوئی جھوٹ نہیں ہے۔لیکن وہ عظیم لوگ تھے۔وہ اس وقت کے علما نہیں تھے بلکہ عوام الناس تھے۔مگر اس وقت کی عوام میں بھی اللہ کی رضا کے لیے کام کرنے کا ایسا جذبہ تھا) چنانچہ ان میں سے ایک نے کہا: اے اللہ! میرے والدین بوڑھے تھے، بڑی عمر کے تھے اور میرے چھوٹے بچے بھی تھے، میں ریوڑ چراتا تھا اور جب واپس آتا تو ان بکریوں کا دودھ نکالتا اور سب سے پہلے میں اپنے بوڑھے والدین کو پلاتا تھا اور اپنے بچوں کو بعد میں پلاتا تھا۔ایک دن مجھے درختوں میں دیر ہو گئی (یعنی مجھے اپنے جانوروں کو واپس لانے میں دیر ہو گئی حتی کہ شام کا وقت ہو گیا۔جب میں گھر پہنچا تو) میں نے دیکھا کہ میرے والدین سو گئے ہیں۔ میں نے دودھ نکالا جیسے میں دودھ نکالتا تھا۔میں دودھ لے کر آیا اور میں ان کے سروں کی طرف آکر کھڑا ہو گیا۔میں نے ان کو جگانا مناسب نہ سمجھا (میں نے سوچا کہ اب تو ان کو نیند آئی ہوئی ہے، اگر آنکھ کھل گئی تو پھر نیند نہیں آئے گی، اس لیے میں نے سوچا) اور یہ بھی مجھے اچھا نہ لگا کہ میں اپنے ماں باپ کو پلائے بغیر بچوں کو پلا دوں۔میرے بچے مجھ سے رو رو کر دودھ مانگ رہے تھے۔یہ معاملہ اسی طرح چلتا رہا (یعنی بچے اصرار کرتے رہے اور میں والدین کے جاگنے کا انتظار کرتا رہا) حتی کہ فجر کا وقت ہو گیا۔اے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ یہ عمل میں نے تیری رضا کے لیے کیا ہے تو ہمارے لیے اس چٹان کو ہٹا کر راستے کھول دے۔چٹان تھوڑی سی ہٹ گئی اور ان کو آسمان کی تھوڑی سی روشنی نظر آنے لگی (مگر اتنی روشنی نہیں تھی کہ بندہ نکل سکتا)۔

دوسرے بندے نے کہا: اے اللہ! میرے چچا کی ایک بیٹی تھی (فسٹ کزن تھی) میں اس سے پیار کرتا تھا۔اتنا پیار کرتا جتنا کوئی مرد اپنی عورت سے عشق کر سکتا ہے (یعنی مجھے اس لڑکی کے ساتھ اتنا عشق تھا)۔میں نے اس کے سامنے گناہ کا ارادہ پیش کیا۔اس نے انکار کر دیا۔(اب لگتا ہے یہی ہے کہ ادھر سے اصرار تھا اور ادھر سے

انکار تھا)۔ چنانچہ اس بے چاری نے (جان چھڑانے کے لیے) کہہ دیا: اچھا! جب تیرے پاس سو دینار ہوئے اس وقت تیری بات مانوں گی۔ میں نے بھی کوشش کر کے سو دینار اکٹھے کر لیے۔ میں سو دینار لے کر اس سے ملا (اب اس کے پاس کوئی بہانہ نہیں تھا)۔ جب میں گناہ کرنے کے ارادہ سے بیٹھا تو وہ کہنے لگی: اے اللہ کے بندے! اللہ سے ڈر اور میری بکارت کو زائل نہ کر (اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ تقیہ، نقیہ اور باکرہ لڑکی تھی۔ وہ آجکل کے زمانے کی طرح غیر محرم کو دیکھ کر مسکرانے والی بیگم نہیں تھی۔ وہ پاکیزہ بچی تھی۔ اس پر اللہ کا خوف غالب تھا۔ چنانچہ وہ گناہ کا ارادہ سن کر کانپ گئی اور کہنے لگی: تو اللہ سے ڈر اور اللہ کی بنی ہوئی مہر کو نہ توڑ۔ اخلاص سے نکلے ہوئے الفاظ دل پر اثر کر جاتے ہیں۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ) میں گناہ کرنے کی بجائے کھڑا ہو گیا اور میں نے کہا: اے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ میں نے یہ عمل تیری خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کیا تھا تو ہمارے لیے اس چٹان کو ہٹا کر راستے کھول دے۔ (اس نے اپنا اخلاص بھر عمل پیش کیا اور) اللہ نے چٹان کو تھوڑا سا اور ہٹا دیا۔

تیسرے بندے نے کہا: اے اللہ! میں نے ایک مزدور رکھا اور میں نے اس سے کہا کہ میں تمہیں روزانہ کی مزدوری پانچ صاع چاول دوں گا۔ جب اس نے مزدوری کی تو اس نے کہا: میرا حق دو۔ میں نے اس کو اس کا حق دیا لیکن اس نے وہ چھوڑ دیا اور چلا گیا۔ اب میں نے ان چاولوں کو کاشت کر دیا۔ (ان کی خوب فصل ہوئی) حتی کہ میں نے اس فصل سے بہت سارے جانور خرید لیے۔ کافی عرصہ بعد ایک دن وہ آیا اور کہنے لگا: اللہ سے ڈرو اور مجھ پر ظلم نہ کرو اور مجھے میرا حق ادا کرو۔ میں نے کہا: یہ سب جانور اور ان کا چرواہا تمہارے ہیں، سب لے جاؤ۔ اس نے کہا: بھئی! آپ مجھ سے مذاق نہ کریں اور خدا کا خوف کر کے مجھے میری چیز دیں۔ میں نے کہا: جی! میں مذاق نہیں کر رہا، یہ سب کچھ تیرا ہے، تم لے جاؤ۔ چنانچہ

وہ سارا کچھ لے کر چلا گیا۔ اے اللہ! اگر میں نے یہ عمل تیری رضا کے لیے کیا تھا تو تو ہمارے لیے باقی راستہ بھی کھول دے۔ اللہ تعالیٰ نے چٹان ہٹا کر ان کے لیے راستہ کو کھول دیا۔‘‘

حدیث مبارکہ میں پوشیدہ سبق:

جیسے علی بن مدینی فرما رہے تھے کہ یہ حدیث پاک نبی علیہ السلام نے ایسے ہی بیان نہیں کی کہ ہم تعجب کریں کہ اچھا! ایک ایسا واقعہ بھی ہوا ہے، بلکہ ہمارے لیے سبق ہے۔ امید ہے کہ آپ اس کو ہوش کے کانوں سے سنیں گے۔

اس میں ہمارے لیے سبق یہ ہے کہ ہمارے اوپر بھی ایسا ممکن ہے کہ ہم پریشانی کی کسی غار میں پڑ جائیں اور نکلنے کے راستے بند ہو جائیں۔ آج بھی تو مصیبتوں میں گھر جاتے ہیں نا۔ غار میں گھرنا تو ضروری نہیں ہے نا۔ کاروبار ٹھپ ہے، نکلنے کا راستہ نہیں، کوئی مصیبت ایسی آپڑی، نکلنے کا راستہ نہیں۔ تو ہم بھی تو اس وقت ایک غار میں پھنسے ہوتے ہیں نا۔ لیکن مخرج نظر نہیں آرہا ہوتا کہ اے اللہ! ہم یہاں سے کیسے نکلیں؟ تو نبی علیہ السلام نے ہمیں سمجھا دیا کہ اگر میرے بعد تمہارے اوپر ایسے حالات آجائیں تو تم اللہ سے دعا مانگنا، وہ دعا تمہیں ایسے حالات سے نکالے گی۔ مگر دعا مانگنے سے پہلے اپنی رجسٹریشن کو پیش کر دینا۔ زندگی میں کوئی عمل تو تم نے اللہ کے لیے کیا ہوگا نا۔ اپنا کوئی بھی ایسا عمل پیش کر دینا۔

ذرا توجہ کیجیے...... ان تین بندوں نے تین عمل پیش کیے۔

......ماں باپ کی خدمت کرنے والے نے اپنے اخلاق کو پیش کیا،

......زنا سے توبہ کرنے والے نے اپنی معاشرت کو پیش کیا،

......مال پورا ادا کرنے والے نے اپنے معاملات کو پیش کیا،

دیکھا جائے تو یہی تین ہی تو چیزیں ہوتی ہیں۔ اخلاق، معاشرت اور

معاملات۔

اس میں اشارہ یہ ہے کہ جس لائن کی بھی تم نیکی کرو گے تم اسے اگر اللہ کے حضور پیش کرو گے اور وہ عمل اللہ کو پسند آ گیا تو اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اس مصیبت سے نکلنے کا مخرج نکال دیں گے۔اور ہماری حالت یہ ہے کہ ہم عاملوں کے پیچھے بھاگتے پھر رہے ہوتے ہیں۔حضرت! کسی نے کچھ کر دیا ہے۔جی ہاں! تمہارے نفس نے کچھ کر دیا ہے۔

......پھوپھو نے کیا،

......ہمسائے نے کیا،

......چچا نے کیا،

نہیں بھئی! کسی نے کچھ نہیں کیا، تمہارے اپنے نفس نے کچھ کیا ہوا ہے۔

آپ اس بات پر غور کریں کہ ہم اس وقت بحیثیت قوم مصیبت میں مبتلا ہیں یا نہیں؟ اس حدیث میں ہمیں روشنی مل رہی ہے کہ ہم تہجد پڑھیں اور اللہ کے حضور دعائیں مانگیں، اور دعائیں مانگتے ہوئے اس امت کے مرد اور عورتیں اپنے اپنے نیک اعمال اللہ کے حضور پیش کریں اور کہیں: اے اللہ! تیری رضا کے لیے یہ عمل کیا تھا، تیری رضا کے لیے میں نے فلاں سے دوستی چھوڑی تھی، تیری رضا کے لیے میں نے فلاں کو مال لوٹایا تھا، تیری رضا کے لیے میں نے فلاں سے معافی مانگی تھی۔کوئی تو عمل ایسا ہوگا ہی سہی جو اللہ کو پسند آجائے۔جب اس طرح اپنے اعمال اللہ کے حضور پیش کر کے ہم اللہ سے دعا مانگیں گے تو وہ رب کریم ہمیں کافروں کے ہاتھوں ذلیل نہیں فرمائیں گے۔یاد رکھیں! بیٹا اگر باپ کو راضی کر لیتا ہے تو باپ اپنے نوکر سے اس کی پٹائی نہیں کروایا کرتا۔نوکر کی کیا جرات کہ بچے کو ہاتھ لگائے۔وہ ہاتھ لگاتا ہی اس وقت ہے جب باپ ناراض ہوتا ہے۔باپ اشارہ کر دیتا ہے کہ دو لگا

دواس کو تا کہ سمجھ آجائے، صاحب زادہ صاحب کو۔آج ہم بھی صاحبزادے بنے ہوئے ہیں کہ ہم نے تو کلمہ پڑھا ہوا ہے،اب جو مرضی کرتے پھریں۔نہیں، ہم اپنے گناہوں سے توبہ کریں اور اللہ رب العزت سے مدد مانگیں ۔یہ احادیث مبارکہ ہماری رہبری کے لیے ہیں۔ قصے کہانیاں نہیں۔ ماکان حدیث یفتری۔ان سے رہبری کا نور حاصل کریں اوران کے مطابق اپنے رب سے مانگیں۔اللہ رب العزت ہمیں اس مصیبت کے غار سے آج بھی نکالنے پر قادر ہے۔ کیونکہ اپنے عمل کو اللہ رب العزت کے حضور پیش کرنے پر اللہ کی رحمت چھم چھم برستی ہے۔

علم نافع کی علامات:

ایک سوال ذہن میں پیدا ہوتا ہے کہ علم نافع کی علامات کیا ہوتی ہیں؟ جی ہاں! نفع دینے والا علم بھی ہوتا ہے۔ نبی علیہ السلام نے ہمیں دعا سکھائی:

((اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ عِلْمٍ لَا يَنْفَعُ))

”اے اللہ! میں پناہ مانگتا ہوں ایسے علم سے جو نفع نہ دیتا ہو۔“

چنانچہ علم نافع کی دو علامات ہیں۔

پہلی علامت:

بندے َواس علم پر عمل کرنے کی توفیق مل جاتی ہے۔حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ طلبا سے پوچھا: بتاؤ، علم کا مفہوم کیا ہے؟ وہ بتاتے رہے، جاننا، پہنچانا وغیرہ۔حضرت خاموش رہے۔ باآخر ایک طالب علم نے کہا: حضرت ! آپ ہی بتادیں۔تو فرمایا:

”علم وہ نور ہے جس کے حاصل ہونے کے بعد اس پر عمل کیے بغیر چین نہیں آتا۔“

اگر دل کی یہ حالت ہے تو علم نافع ہے۔ عمل کیے بغیر بندے کو قرار نہیں آتا۔ گناہ کر بھی بیٹھے تو اللہ سے رو رو کر معافی مانگے بغیر اس کو سکون نہیں ملتا۔ اندر ایک آگ لگی ہوتی ہے۔

دوسری علامت:

انسان کے دل کے اندر خشیت بڑھ جاتی ہے۔

﴿ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ﴾ (فاطر:۲۸)

دیکھا! قرآن عظیم الشان نے نشانی بتادی ہے نا کہ بے شک علم والے ہی اللہ سے ڈرتے ہیں۔ انسان کے دل میں خشوع، ڈر اور خوف بڑھ جاتا ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''بڑا عالم وہ ہے جس پر گناہوں کی مضرتیں زیادہ کھل جائیں۔'' گناہوں کے نقصانات جتنے واضح ہوں گے وہ اتنا ہی پیچھے ہٹے گا۔

علم میں اضافہ کیسے ہوتا ہے؟

دو ذرائع سے علم میں اضافہ ہوتا ہے...... یہ ایک نکتے کی بات ہے، امید ہے کہ آپ توجہ سے سنیں گے اور اسے اپنے دلوں میں محفوظ فرمائیں گے۔

(ا)...... عمل کے ذریعے:

حدیث پاک میں ہے:

﴿ مَنْ عَمِلَ لِمَا عَلِمَ عَلَّمَهُ اللّٰهُ مَالَمْ يَعْلَمْ ﴾

''جو بندہ اپنے علم پر عمل کرتا ہے اللہ اسے وہ علم بھی عطا کر دیتا ہے جو اس کے پاس نہیں ہوتا۔''

تو علم پر عمل سے کیا ہوا؟ کہ وہ علم بھی ملا جو پہلے نہیں تھا۔

(۲)......تقویٰ کے ذریعے:

گناہوں سے بچنا اور تقویٰ اختیار کرنا بھی علم میں اضافے کا باعث بنتا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

﴿وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ يُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ﴾ (البقرہ:۲۸۲)

''اور تم تقویٰ اختیار کرو، اللہ تمہیں علم عطا فرمائے گا''

علم حاصل کرنے کے دو راستے:

علم حاصل کرنے کے دو راستے ہیں۔

(۱)......ذہانت کے راستے سے علم حاصل کرنا کہ بڑا ذہین فطین ہے اور اس نے قواعدِ صرف ونحو سب جان لیے۔ جب عبارات پڑھتا ہے تو اسے مفہوم سمجھ میں آجاتا ہے۔لیکن یاد رکھیں! جو علم ذہانت کے راستے ملتا ہے اس کی بنیاد نہیں ہوتی۔

امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں دو بھائی تھے۔ابو الفضل اور فیضی۔ ذہانت کے راستے انہوں نے علم لیا تھا۔ایسے علم تھے کہ انہوں نے فارسی زبان میں قرآن مجید کی بے نقطہ تفسیر لکھی۔ پوری تفسیر میں نقطے والا کوئی حرف استعمال نہیں ہوا...... یہ معمولی بات نہیں ہے......اور پھر اس کا نام بھی ایسا ہی رکھا کہ جس میں کوئی نقطہ نہیں تھا۔ ''سواطع الالہام''۔ایک جگہ پر وہ تفسیر دیکھنے کا موقع ملا۔ میں نے سورۃ فاتحہ کی تفسیر پڑھی۔انہوں نے پورے قرآن کی اسی طرح تفسیر لکھی تھی۔انہیں علم تو تھا مگر انہوں نے یہ علم ذہانت کے راستے لیا تھا۔اتنے ذہین تھے کہ ایک بھائی کے سامنے جب ایک بات کہی جاتی تھی تو اسے وہ یاد ہو جاتی تھی۔ گویا فوٹوگرافک میموری تھی۔ یہ خوبی فیضی میں تھی جو چھوٹا تھا۔اور جو بڑا تھا وہ دو دفعہ سن لیتا تھا تو اسے یاد ہو جاتی تھی۔انہوں نے اپنے وقت کے شعراء کی ناک میں دم کر دیا تھا۔شاعر لوگ

بادشاہ کی منقبت لکھتے، تعریفی اشعار لکھتے اور آ کر بادشاہ کو سناتے تو جب سنا کے ہٹتے تو چھوٹا کھڑا ہو جاتا اور کہتا تھا: بادشاہ سلامت! یہ تو میرا کلام ہے۔ پھر وہ اس کو ری پروڈیوس کر دیتا۔ سنا دیتا۔ جب وہ سنا دیتا تو پھر بڑا کھڑا ہو جاتا، کیونکہ اب اس نے دو دفع سن لیا ہوتا تھا، اور وہ بھی کہہ دیتا تھا کہ میں اس کی تصدیق کرتا ہوں کہ یہ میرے بھائی کا کلام ہے، میں سنا دیتا ہوں۔ ان کی ذہانت اتنی تھی اور ان کو علم اتنا تھا۔ مگر ان کو کوئی فائدہ نہ دے سکا۔ انہوں نے بادشاہ وقت کو فتویٰ دیا کہ غیر اللہ کے لیے تعظیمی سجدہ کرنا جائز ہے۔ اس طرح وہ گمراہ ہو گئے۔

(۲)......عبادات کے راستے سے علم حاصل کرنا۔ علم کو ذہانت کے راستے سے مت لو، بلکہ علم کو عبادت کے راستے سے لو۔ عبادت سے کیا مراد ہے؟ کہ علم پر عمل کرنے کا راستہ اور تقویٰ اختیار کرنے کا راستہ۔ یہ عبادت کا راستہ ہے۔ جس طالب علم میں عمل زیادہ ہوگا اور تقویٰ زیادہ ہوگا، اللہ اس کو ایسا علم عطا کریں گے جو علم پہلے اس کے پاس نہیں تھا۔ ایسا علم ہمیشہ انسان کا ساتھ دیا کرتا ہے۔ یاد رکھیں! فاسق طالب علم عبارتیں تو یاد کر سکتا ہے مگر اسے یاد نہیں ہوگا کہ کس موقع پر میرا رب مجھ سے کیا چاہتا ہے۔ اور علم تو یہی تھا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس کو علم تو حاصل نہیں، بلکہ معلومات حاصل ہیں......فرق سمجھیے!

......فسق و فجور میں پڑنے والا طالب علم

......بدنظری کرنے والا

......غیر محرم کے ساتھ محبت کی پینگیں بڑھانے والا

......میسج بھیجنے اور لینے والا، اور

......ساتھ ساتھ علم کا طلب گار بھی بن جائے

تو اس قسم کے طالب علم کو عبارتیں تو یاد ہو سکتیں ہیں، مگر اس کو یہ یاد نہیں ہوگا کہ

کس موقع پر میرا خدا مجھ سے کیا چاہتا ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم علم حاصل کریں عبادت کے راستے سے، علم کو ذہانت کے راستے حاصل نہ کریں ۔ ورنہ ہم علم کے باوجود گمراہ ہو جائیں گے۔ کیونکہ

جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہو گا

بدن اور دل کی خوراک:

ایک ہے ہمارے بدن کی خوراک اور ایک ہے ہمارے دل کی خوراک۔ بدن کی خوراک ہے روٹی، پانی۔ جہاں سے بدن آیا وہیں سے خوراک آئی۔ مٹی سے بدن بنا اور اسکی خوراک بھی مٹی سے پیدا ہوتی ہے۔ سبزیاں مٹی سے نکلتی ہیں، پھل مٹی سے نکلتے ہیں، میوے مٹی سے نکلتے ہیں، لباس مٹی سے نکلتا ہے، مکان مٹی سے بنتا ہے۔ ہر چیز مٹی سے بنتی ہے۔اور انسان کا دل عالم امر کی چیز ہے۔ انسان کی روح عالم امر کی چیز ہے۔ان کی خوراک بھی وہیں سے آتی ہے۔اوپر سے آنے والے انوار وتجلیات انسان کی روح کی خوراک بنتے ہیں۔

کون سا علم دیرپا ہوتا ہے:

جسم کی خوراک کے حوالے سے ذرا سنیے۔ جو سب سے زیادہ بھوکا وہ سب سے بڑا محدث بنا۔

☆......صحابہ ﷺ میں سب زیادہ بھوک والے کون تھے؟ ابو ہریرہ ؓ۔ دروازے پر پڑے ہوتے ہیں، کھانے کو کچھ نہیں مل رہا۔ مگر سب سے بڑے محدث بنے۔

☆......امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ بیمار ہو گئے۔ طبیب نے قارورہ چیک کیا۔ اس نے کہا: اس بندے نے تو کبھی مرچ استعمال ہی نہیں کی۔ شاگردوں نے عرض کیا: حضرت! طبیب تو یہ کہتا ہے۔ فرمایا: ہاں! پچھلے اٹھارہ سال سے میں نے کبھی

سالن روٹی نہیں کھائی۔ پوچھا: حضرت! پھر آپ کیسے گزارہ کرتے ہیں؟ فرمایا: میں پانچ سات بادام کھا کر اپنے سارے دن کا گزارا کر لیتا ہوں۔ بندن کی خوراک یہ تھی اور ادھر علم میں کیا مقام پایا؟ سب سے بڑے محدث بنے۔ اللہ اکبر!

معلوم ہوا کہ علم حاصل کرنے کے لیے فقط ظاہر کے روغن مغز کا فائدہ نہیں ہوتا۔ اس سے تو عقل بڑھتی ہے۔ اور جو علم عقل سے حاصل ہوتا ہے وہ نافع نہیں ہوا کرتا۔ ہاں! جو عبادت اور تقویٰ کے راستے سے علم ملتا ہے وہ علم دیرپا ہوتا ہے۔

عزیز طلبا! آپ عبادت کے راستے سے علم حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ تقویٰ کے ذریعے علم حاصل کریں۔ سنتوں کو جمع کرنے کے ذریعے علم حاصل کریں۔ علم پر عمل کرنے کے ذریعے علم حاصل کریں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ آپ کے دل میں ایسا علم اتاریں گے جو آپ کو پوری زندگی فائدہ دے گا۔

انبیا کی اصل وراثت:

نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

﴿اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ﴾

''علما، انبیا کے وارث ہیں۔''

وارث وہ ہوتا ہے جس کو وراثت میں سے حصہ ملے۔ انبیا کی اصل وراثت کیا ہے؟ امت کا غم۔ تو ہمیں امت کے غم میں سے کتنا حصہ ملا؟ نبی علیہ السلام قیامت کے دن اللہ رب العزت کے حضور سجدہ ریز ہوں گے اور اللہ تعالیٰ فرمائیں گے:

﴿ اِرْفَعْ رَاْسَكَ اِشْفَعْ تُشَفَّعْ سَلْ تُعْطٰى ﴾

''اے محبوب ﷺ! آپ اپنا سر اٹھا لیجیے، آپ جو شفاعت کریں گے قبول کی جائے گی، آپ جو مانگیں گے وہ ملے گا۔''

محبوب ﷺ فرماتے ہیں: میں کھڑا ہوں گا اور کہوں گا:

((یَارَبِّ اُمَّتِی یَارَبِّ اُمَّتِی))

کیا ہمارے دل میں یہ غم ہے۔ اگر یہ غم نہیں تو پھر ہم نبی علیہ السلام کے وارث کہاں ہوئے؟ دل میں ایک کڑھن ہو۔ اگر ہم طالب علم ہیں تو اپنی اصلاح کی فکر کریں اور اگر استاد ہیں تو اپنے طلبا کی اصلاح پر بھی توجہ دیں۔ فقط **ضرب یضرب ضربا فھو ضارب** پڑھا لینے سے حق ادا نہیں ہوگا، جب تک کہ ہم نے ان کی اصلاح نہ کی۔ جب ہم ان کی اصلاح کریں گے تب ان طلبا کو صحیح علم پہنچے گا۔

پہلے علم نفوس میں ہوتا تھا......

پہلے زمانے میں علم نفوس میں ہوتا تھا اور آج علم نقوش میں ہوتا ہے۔ پہلے انسانوں کے سینوں میں علم محفوظ ہوتا تھا اور اب الفاظ اور حروف کی شکل میں ہے۔

ابو داؤد کے بیٹے ایک جگہ گئے تو وہاں کے علما نے ایک مجلسِ حدیث کا انتظام کردیا۔ کہ ایک محدث کے بیٹے آرہے ہیں۔ خود محدث نہیں، بلکہ محدث کے صاحبزادے تشریف لا رہے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ میرے پاس میری کتابیں بھی نہیں تھیں، لیکن لوگوں کی مجلس قائم ہوئی تو میں نے زبانی احادیث لکھوانی شروع کیں۔ میں نے ان کو متن اور سند کے ساتھ سینتیس ہزار (37000) احادیث لکھوائیں۔ جی ہاں! علم نفوس میں ہوتا تھا۔

﴿بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي صُدُورِ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ﴾

(العنکبوت)

"یہ آیات بینات ان کے سینوں میں ہوتی تھیں جن کو اللہ نے علم عطا فرمایا تھا۔"

آج تو یہ نقوش یعنی کتابوں میں رہ گیا ہے۔ الا ماشاء اللہ۔ اگر آج بھی علم نفوس میں آجائے تو اللہ تعالیٰ کی مدد اتر آئے۔

خیر کے دروازے کھلنے کا سبب:

جب انسان کا علم بڑھے تو اس کے ساتھ ساتھ اس میں تواضع بھی بڑھنی چاہیے۔ جب تک ہم اپنے نفس کو پامال نہیں کریں گے تب تک ہمارے لیے خیر کے دروازے نہیں کھلیں گے۔ خیر کے دروازے کھلنے کے لیے اپنے نفس کو پامال کرنا ضروری ہے۔ اسے مٹانا ضروری ہے۔ جب نفس کو مٹائیں گے تو اللہ رب العزت اس نفس کو نفس مطمئنہ بنا دیں گے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم علم سیکھتے تھے، پڑھتے نہ تھے:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم علم سیکھتے تھے، پڑھتے نہیں تھے..... یہ ایک علمی نکتہ ہے جو آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں..... ایسا کبھی نہیں ہوتا تھا کہ وہ کتاب لے کر بیٹھے ہوں اور نبی علیہ السلام بیٹھے پڑھا رہے ہوں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اہل اللہ کی محفل میں بیٹھ کر علم نافع سیکھنا پڑھتا ہے۔ اگر نیت عمل کی ہو اور دل میں اخلاص ہو تو ایک ایک بات بندے کی زندگی بدلنے کا ذریعہ بن جاتی ہے۔

دنیا و آخرت کی سعادتوں کا مخزن:

نبی علیہ السلام کی خدمت میں ایک بدو آتے ہیں اور آ کر کچھ سوالات پوچھتے ہیں..... یہ ایک حدیثِ مبارکہ ہماری زندگی کی کامیابی کے لیے کافی ہے۔ باقی کی بات ایک طرف کر دیں۔ ایک حدیث مبارکہ میں پوری زندگی کی رہنمائی ملتی ہے۔ وہ حضرات اس طرح علم سیکھتے تھے۔

شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث مبارکہ کو سند کے ساتھ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

جاء رجل الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال: انی سائلك عما فی الدنیا و

الآخرة ، فقال له: سل عَمّا بَدَا لَکَ، قال: یا نبی الله ! اُحِبُّ ان اکون اعلم الناسِ ، قال :اتق الله تکن اعلم الناس ، قال :احب ان اکون اغنی الناس ، قال: کن قَنعا تکن اغنی الناس ، قال: احب ان اکون خیر الناس فقال خیر الناس من ینفع الناس فکن نافعا لهم، فقال: احب ان اکون اعدل الناس، قال: احَبُّ للناسِ ما تحبُ لنفسك تکن اعدل الناسِ، قال: احب ان اکون اِخَصَّ الناسِ الی الله تعالیٰ ، قال :اکثر ذکر الله تعالیٰ تکن اخص العباد الی الله تعالی ، قال احب ان اکون من المحسنین، قال: اعبد الله کأنك تراه فان لم تکن تراه فانه یراك ، قال: احب ان یکمل ایمانی ، قال :حسن خلقك یکمل ایمانك ، فقال احب ان اکون من مطیعین، قال: اَدِّ فرائض الله تکن مطیعا ، فقال: احب ان القی الله نقیا من الذنوب، قال: اغتسل من الجنابة متطهرا تلقی الله یوم القیامة و ما علیك ذنب ، قال احب ان احشر یوم القیامة فی النور ، قال: لا تظلم احدا تحشر یوم القیامة فی النور ، قال: احب ان یرحمنی ربی ، قال ارحم نفسك وارحم خلق الله یرحمك الله قال: احب ان تقل ذنوبی ، قال :استغفر الله تقل ذنوبك ، قال احب ان اکون اکرم الناس قال لا تشکون الله الی الخلق تکن اکرم الناس ، فقال: احب ان یوسع علی فی الرزق ، قال: دم علی الطهارة یوسع علیك فی الرزق ، قال: احب ان یوسع

على فى الرزق قال: دم على الطهارة يوسع عليك فى الرزق ، قال احب ان اكون من احباء الله و رسوله قال احب ما احب الله و رسوله و ابغض ما ابغض الله و رسوله، قال: احب ان اكون آمنا من سخط الله قال: لا تغضب علىٰ احد تامن من غضب الله و سخطه قال: احب ان تستجاب دعوتى ، : اجتنب الحرام تستجب دعوتك، قال: احب لا يفضحنى الله علىٰ رؤوس الاشهاد، قال: احفظ فرجك كيلاتفتضح علىٰ رؤوس الاشهاد ، قال: احب ان يستر الله علىٰ عيوبى، قال: استر عيوب اخوانك يستر الله عليك عيوبك، قال: مالذى يمحوعنى الخطايا، قال: الدموع و الخضوع و الامراض ، قال: اى حسنة افضل عند الله، قال: حسن الخلق و التواضع والصبر على البلية و الرضاء بالقضاء، قال: اى سيئة اعظم عند الله، قال: سوء الخلق و الشح المطاع، قال: ما الذى يسكن غضب الرحمن قال: اخفاء الصدقة و صلة الرحيم، قال: ما الذى يطفىء نار جهنم قال: الصوم

''ایک شخص نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا (اور اس نے چند سوالات پوچھے)

اس نے کہا: دنیا اور آخرت میں جو بھی خیر ہے میں اس کا سائل ہوں۔

نبی علیہ السلام نے فرمایا: پوچھیے۔

اس نے کہا: اے اللہ کے نبی! میں چاہتا ہوں کہ انسانوں میں سب سے زیادہ علم والا بن جاؤں۔

نبی علیہ السلام نے فرمایا: تو اللہ سے ڈر، تقویٰ اختیار کر، تو سب سے بڑا عالم بن جائے گا۔

اس نے کہا: میں چاہتا ہوں کہ میں سب سے زیادہ غنی بن جاؤں۔

نبی علیہ السلام نے فرمایا: تو قناعت اختیار کر، تو انسانوں میں سے سب سے زیادہ غنی بن جائے گا۔

اس نے کہا: میں چاہتا ہوں کہ میں سب سے زیادہ بہتر انسان بن جاؤں گا۔

نبی علیہ السلام نے فرمایا: انسانوں میں سب سے زیادہ بہتر وہ ہے جو انسانوں کو سب سے زیادہ نفع پہنچانے والا ہو۔ پس تو بھی انسانوں کے لیے نافع بن جا۔ (تو ہر ایک کو نفع پہنچا۔ اپنوں کو بھی اور پرایوں کو بھی۔ اس طرح تو سب سے اچھا انسان بن جائے گا)۔

اس نے کہا: میں چاہتا ہوں کہ میں انسانوں میں سب سے زیادہ عادل بن جاؤں۔

نبی علیہ السلام نے فرمایا: (اگر تجھے انصاف اچھا لگتا ہے تو) جو تو اپنے لیے پسند کرتا ہے وہی لوگوں کے لیے پسند کر لے، تو سب سے زیادہ انصاف پسند بن جائے گا۔ (ہم خود تو یہ چاہتے ہیں کہ لوگ ہمارے عیبوں پر پردہ ڈالیں اور ہمیں ذرا سا پتہ چلتا ہے تو ہم لوگوں کو رسوا کرتے پھرتے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ اگر لوگوں کو ہماری غلطی کا پتہ چل جائے تو لوگ حلم کے ساتھ برتاؤ کریں اور ہمارے سامنے ذرا سی کوئی بات ہوتی ہے تو پھر حلم رخصت ہو جاتا ہے)۔

اس نے کہا: میں چاہتا ہوں کہ میں اللہ کے سامنے خاص بندہ بن جاؤں۔ (یعنی اسپیشل بن جاؤں۔ جیسے آج لوگ کہتے ہیں: جی! وہ تو میرا بڑا اسپیشل ہے۔ اسی طرح انہوں نے بھی یہی سوال پوچھا)۔

نبی علیہ السلام نے فرمایا: اللہ کا ذکر کثرت کے ساتھ کر، تو اللہ تعالیٰ کا اسپیشل بندہ بن جائے گا۔ (یعنی محبوب بن جائے گا)۔

اس نے کہا: میں چاہتا ہوں کہ میں محسنین میں شامل ہو جاؤں۔

نبی علیہ السلام نے فرمایا: تو اللہ کی عبادت ایسے کر جیسے وہ تجھے دیکھتا ہے اور اگر ایسا نہیں تو پھر ایسے عبادت کر جیسے تو اللہ کو دیکھ رہا ہے۔ (لگتا ہے کہ اس اعرابی کے دل میں کوئی آگ لگی ہوئی تھی کہ میں کیسے اللہ کو پسند آ جاؤں۔ تبھی تو زاویہ بدل بدل کے مختلف انداز سے سوال پوچھ رہا ہے اور اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کتنے مختصر اور ٹو دی پوائنٹ جواب دے رہے ہیں)۔

اس نے کہا: میں چاہتا ہوں کہ میرا ایمان مکمل ہو جائے۔

نبی علیہ السلام نے فرمایا: تو اپنے اخلاق اچھے کر لے، تیرا ایمان مکمل ہو جائے گا۔

اس نے کہا: میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ میں اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداروں میں شامل ہو جاؤں۔

نبی علیہ السلام نے فرمایا: اللہ کے فرائض کو اہتمام کے ساتھ پورا کر لو، اللہ کے مطیع بندوں میں شامل ہو جاؤ گے۔

اس نے کہا: میں چاہتا ہوں کہ میں اللہ سے اس حال میں ملوں کہ میں گناہوں سے پاک صاف ہوں۔ (سبحان اللہ! کیا خوب صورت سوال پوچھا)

نبی علیہ السلام نے فرمایا: تو جنابت کا غسل اچھے انداز سے کر لیا کر، اس سے (جو گناہ جھڑتے ہیں) قیامت کے دن تو اللہ کے سامنے پاک حالت میں پیش ہو گا۔

اس نے کہا: میں چاہتا ہوں کہ قیامت کے دن نور میں میرا حشر ہو۔

نبی علیہ السلام نے فرمایا: تو کسی پر ظلم نہ کر، قیامت کے دن نور کے اندر تیرا حشر کیا

جائے گا۔(اس کا مطلب یہ ہے کہ آج لوگ جو ظلم اور زیادتی کرتے ہیں، یہ قیامت کے دن کی سیاہی ہے۔چاہے وہ ظلم کسی قریبی پر ہو یا دور والے پر ہو۔اپنے پر ہو یا پرائے پر ہو۔ہم دل میں سوچیں کہ ہم بھی ظلم کا ارتکاب تو نہیں کرتے۔ جو ظلم کا ارتکاب کررہے ہیں، وہ قیامت کے دن کی ظلمت بن کر ہمارے سامنے آئے گی)۔

اس نے کہا: میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ میرا رب مجھ پر رحم فرمائے۔

نبی علیہ السلام نے فرمایا: تو اپنے آپ پر بھی رحم کر، اللہ کے بندوں پر بھی رحم کر، اللہ تعالیٰ تیرے اوپر رحم فرمائیں گے۔

اس نے کہا: میں چاہتا ہوں کہ میرے گناہ بہت تھوڑے ہو جائیں۔

نبی علیہ السلام نے فرمایا: تو استغفار کر، اس سے اللہ تعالیٰ تیرے گناہوں کو تھوڑا کر دیں گے۔

اس نے کہا: میں انسانوں میں سب سے زیادہ کریم بننا چاہتا ہوں۔

نبی علیہ السلام نے فرمایا: تو مخلوق کے سامنے اللہ کے شکوے نہ کر، تو سب سے زیادہ کریم بن جائے گا۔(یہ گناہ آج عام ہوتا جا رہا ہے۔کسی عورت کے پاس اگر کوئی عورت بیٹھے تو دو منٹ میں ہی شکوے سنا دیتی ہے۔ بیٹے کو نوکری نہیں مل رہی، بیٹی کا رشتہ نہیں آرہا۔فلاں کام نہیں ہو رہا۔وہ تھوڑی ہی دیر میں اللہ کی سینکڑوں شکایتیں بیان کر دیتی ہے۔کئی تو یہاں تک کہہ دیتے ہیں: جی! اللہ تو ہماری سنتا ہی نہیں۔ایک روشن خیال صاحب آئے اور کہنے لگے: حضرت صاحب! اللہ تعالیٰ داڑھی والوں کی بڑی فیور کرتا ہے۔ میں نے کہا: الحمد للہ!)

اس نے کہا: میں چاہتا ہوں کہ میرا اللہ میرا رزق وسیع کر دے۔(یہ بہت اہم سوال

ہے۔ کیونکہ بہت سارے لوگ آج اسی مصیبت میں پھنسے ہوئے ہیں۔ کہتے ہیں: جی! رزق تھوڑا ہے، ضرورتیں پوری نہیں ہوتیں، ہمارے اخراجات پورے نہیں ہوتے، گھر کے جتنے لوگ ہیں اتنے نوکری کرتے ہیں پھر بھی خرچے پورے نہیں ہوتے۔ کاروبار نہیں چلتا، فیکٹری نہیں چلتی، کام نہیں چلتا۔ یعنی رزق کی پریشانی آج عام ہے)

نبی علیہ السلام نے فرمایا: تم ہر وقت باوضو رہا کرو، اللہ تمہارے رزق کو وسیع فرمادیں گے۔ (آج لوگ رزق کی کمی کی شکایت تو کرتے ہیں، باوضو رہنے کی کوشش کتنے لوگ کرتے ہیں؟ دیکھا! اللہ کے پیارے حبیب ﷺ نے کیا سونے کی سیاہی سے لکھنے کے قابل باتیں بتائیں ہیں)۔

اس نے کہا: میں چاہتا ہوں کہ میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا محبوب بن جاؤں۔ (یعنی مجھ سے اللہ بھی محبت کریں اور اللہ کے محبوب ﷺ بھی محبت کریں)۔

نبی علیہ السلام نے فرمایا: جن چیزوں سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ محبت کرتے ہیں، ان سے تو محبت کر اور جن سے وہ بغض کرتے ہیں تو بھی بغض کر، تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا محبوب بن جائے گا۔

اس نے کہا: میں چاہتا ہوں کہ میں اللہ کے غصے سے امن میں آجاؤں۔ (میرے اوپر اللہ ناراض نہ ہو)۔

نبی علیہ السلام نے فرمایا: تو بندوں میں سے کسی پر غضب (غصہ) نہ کر، اللہ اپنے غضب سے تجھے بچالے گا۔ (اسی لیے اللہ والے رحیم و کریم اور حلیم ہوتے ہیں۔ لہجہ بدل کے بھی بات نہیں کرتے کہ اتنا سا بھی غصہ دکھادیں کسی کو)۔

اس نے کہا: میں چاہتا ہوں کہ مستجاب الدعوات بن جاؤں۔ (بہت اہم سوال ہے

کیونکہ اکثر دوست احباب پوچھتے ہیں کہ ہم جو دعائیں مانگیں وہ قبول ہو جائیں)۔

نبی علیہ السلام نے فرمایا: تو حرام سے اپنے آپ کو بچا لے اللہ تیری دعاؤں کو قبول فرما لے گا۔(اب یہ جواب اگر کوئی ولی دیتا تو ہم یہ کہتے کہ یہ بات ایک ولی نے بتائی ہے۔لیکن یہ تو ولیوں کے سردار،نبیوں کے سردار،سیدالاولین والآخرین ﷺ جواب دے رہے ہیں۔ذرا اس کی اہمیت کو سوچیں۔ہمارے بزرگوں نے اسی حدیث پاک کی روشنی میں یہ کہا کہ جو بندہ اپنے علم اور ارادے سے گناہ کرنا چھوڑ دیتا ہے،اللہ اس بندے کی دعاؤں کو رد کرنا چھوڑ دیتے ہیں)۔

اس نے کہا: میں چاہتا ہوں کہ اللہ مجھے قیامت کے دن گواہوں کے روبرو رسوا نہ کریں۔

نبی علیہ السلام نے فرمایا: تو اپنی شرمگاہ کی حفاظت کر، اللہ تعالیٰ تجھے قیامت کے دن گواہوں کے سامنے رسوانہیں فرمائیں گے۔

اس نے کہا: میں چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میرے گناہوں کی ستر پوشی فرمادیں۔

نبی علیہ السلام نے فرمایا: تو اگر لوگوں کے گناہوں کی پردہ پوشی کرے گا تو اللہ تعالیٰ تیرے گناہوں کی پردہ پوشی کرے گا۔

اس نے کہا: جو گناہ میں کر چکا ہوں وہ کیسے دھل سکتے ہیں؟

نبی علیہ السلام نے فرمایا: آنسوؤں سے، گڑگڑانے سے اور بیمار ہونے سے تیرے کیے ہوئے گناہ دھل جائیں گے۔

اس نے کہا: کون سی نیکی زیادہ افضل ہے؟

نبی علیہ السلام نے فرمایا: اچھے اخلاق اور تواضع، مصیبتوں پر صبر کرنا اور اللہ نے جو

تقدیر لکھ دی، اس پر راضی رہنا۔

اس نے کہا: اللہ کے نزدیک کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟

نبی علیہ السلام نے فرمایا: بد خلقی اور وہ بخل جس کی پیروی کی جائے۔ (یعنی نہ تو اللہ تعالیٰ کو بداخلاقی پسند ہے اور نہ ہی بخالت پسند ہے)

اس نے کہا: کون سی چیز اللہ کے غصے کو ختم کر دیتی ہے؟

نبی علیہ السلام نے فرمایا: چھپ کر صدقہ کرنا اور رشتے ناتے کو قائم کرنا۔

اس نے کہا: جہنم کی آگ کو کونسی چیز بجھا سکتی ہے؟

نبی علیہ السلام نے فرمایا: روزہ (جہنم کی آگ کو بجھا دیتا ہے)۔"

اب اگر کوئی طالبِ علم یہ نیت کرے کہ میں ساری دنیا کی سعادتیں حاصل کرنا چاہتا ہوں تو اس کے لیے یہ ایک حدیث مبارکہ ہی کافی ہے۔ اس کو زبانی یاد کریں اور اس کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھالنے کی کوشش کریں، اللہ تعالیٰ آپ کو دنیا و آخرت کی تمام سعادتیں عطا فرما دیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس حدیث مبارکہ کے مطابق اپنی زندگی بنانے کی توفیق عطا فرما دے۔ (آمین)

دیکھیں! اس صحابی رضی اللہ عنہ نے نبی علیہ السلام سے علم پڑھا نہیں، بلکہ علم سیکھا ہے۔ ہم بھی اسی طرح اپنے اساتذہ سے علم سیکھیں۔ کیا مطلب؟ کہ کتابوں سے پڑھنے کے بعد جو وہ نصیحتیں کرتے ہیں اور جو وہ ہدایات دیتے ہیں، ان کو توجہ سے سن کر عمل میں لائیں، ہم ان سے علم سیکھنے والے بن جائیں گے۔

علم کے مطابق زندگی ڈھالنے کا طریقہ:

عبارت یاد ہونے کا تعلق ذہانت سے ہے مگر زندگی اس کے مطابق ڈھل جائے، اس کا تعلق دل سے ہے۔ زندگی ڈھل جانے کا تعلق عبارت یاد ہونے سے نہیں ہے، بلکہ دل سے ہے۔ تو پھر دل تو دل والوں کے پاس بیٹھ کر بنے گا۔ اہل دل

کے پاس بیٹھ کر بنے گا۔تب اس میں نور آئے گا، رحمت آئے گی، سکینہ آئے گی اور یہ مردہ دل زندہ ہو جائے گا۔اسی لیے فرمایا:

عَلَيْكُمْ بِمَجَالَسَةِ الْعُلَمَاءِ وَاسْتِمَاعِ كَلَامِ الْحُكَمَاءِ

''علما اور داناؤں کی مجلسوں کو اپنے اوپر لازم کرلو۔''

جیسے جسم کو خوراک کی ضرورت ہوتی ہے ایسے ہی انسان کے دل کو بھی خوراک کی ضرورت ہوتی ہے۔

علم سے فقط بولنا آتا ہے:

علم سے ہمیں بولنا آتا ہے۔علم سے ہمیں عمل کرنا نہیں آتا۔عمل کرنے کے لیے دل کا بننا ضروری ہے۔علم پاکیزہ چیز ہے اور پاکیزہ چیز برتن کے اندر ہی آتی ہے۔جب دل کو گناہوں کی نجاست سے پاکیزہ کرلیں گے تو اللہ تعالیٰ اس دل کو علم کے نور سے بھر دیں گے۔

ایک اہم بات......زبان چلے گی دماغ کے علم پر اور اعضا چلیں گے دل کے علم پر۔اور دل میں تو وہ علم آئے گا جو تقویٰ اور عمل کے ذریعے سے حاصل ہوگا۔جو عبادت کے راستے سے حاصل ہوگا۔

علم کا کام کس سے لیا جاتا ہے؟

جب انسان علم میں آگے بڑھتا ہے اس میں تواضع زیادہ آتی ہے۔یاد رکھنا! اللہ تعالیٰ علم کا کام ہمیشہ اس بندے سے لیتے ہیں جو اپنی زبان سے کہتا ہے کہ میں تو کچھ بھی نہیں اور مجھے تو کچھ بھی نہیں آتا، امام مالک کی طرح۔جو اپنی زبان سے یہ کہے گا اللہ تعالیٰ اس سے دین کی اشاعت کا کام لیں گے۔اور جو اپنی زبان سے نعرے لگائے:

ہم چناں دیگرے نیست

''ہم جیسا تو کوئی اور نہیں''

تو اس کا مطلب یہ ہے، کہ وہ کہہ رہا ہے:

ہم چناں ڈنگرے نیست

''ہم جیسا کوئی جانور نہیں ہے۔''

امت پر نبی اکرم ﷺ کی شفقت:

انبیائے کرام علیہم السلام لوگوں کے بوجھ اٹھاتے تھے۔ان سے بیزار نہیں ہوتے تھے۔فقط تنقید ہی نہیں کرتے تھے۔بلکہ ان کے بوجھ اٹھاتے تھے۔حدیث پاک میں ہے کہ جو آدمی فوت ہوگیا **وترک مالا** ''اور اس نے مال چھوڑا'' **فلورثته** ''وہ اس کے وارثوں میں تقسیم کیا جائے گا''۔اور جو فوت ہو گیا اور اس کے ذمے قرضہ ہے اور دینے کے لیے کچھ نہیں۔اس کے بارے میں اللہ کے حبیب ﷺ فرماتے ہیں:

فعلينا قضائه ''اس کا قرضہ ہم ادا کریں گے۔''

کاش! امت کے اوپر یہ شفقت ہمیں بھی نصیب ہو جاتی اور پھر اللہ سے مانگنا آ جاتا۔

دل دہلا دینے والا واقعہ:

نبی علیہ السلام نے طائف کی دعا میں کیا مانگا؟ اس دعا کو پڑھتے ہیں تو دل ہلتا ہے، دل کانپتا ہے۔کتنی عاجزی! اللہ تعالیٰ کے محبوب ﷺ اللہ تعالیٰ کی عظمتوں کو جانتے تھے۔آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی کبریائی سے واقف تھے۔ایک طرف تو پتھر کھائے، خون بہا، تھکاوٹ ہے، بھوک ہے، پیاس ہے، لوگوں نے اپنی طرف سے

بہت ٹف ٹائم دیا اور دوسری طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سامنے جا کر کیا کہہ رہے ہیں؟

اَللّٰھُمَّ اِلَیْکَ اَشْکُوْا ضُعْفَ قُوَّتِیْ وَ قِلَّۃَ حِیْلَتِیْ وَ ھَوَانِیْ عَلَی النَّاسِ یَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ اَنْتَ رَبُّ الْمُسْتَضْعَفِیْنَ وَاَنْتَ رَبِّیْ اِلٰی مَنْ تَکِلُنِیْ اِلٰی بَعِیْدٍ یَتَجَھَّمُنِیْ اَمْ اِلٰی عَدُوٍّ مَلَکْتَہٗ اَمْرِیْ اِنْ لَّمْ یَکُنْ بِکَ عَلَیَّ غَضَبٌ فَلَا اُبَالِیْ وَلٰکِنْ عَافِیَتُکَ ھِیَ اَوْسَعُ لِیْ اَعُوْذُ بِنُوْرِ وَجْھِکَ الَّذِیْ اَشْرَقَتْ لَہُ الظُّلُمٰتُ وَ صَلُحَ عَلَیْہِ اَمْرُ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ مِنْ اَنْ تُنْزِلَ بِیْ غَضَبَکَ اَوْ یَحُلَّ عَلَیَّ سَخَطُکَ لَکَ الْعُتْبٰی حَتّٰی تَرْضٰی وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِکَ

''اے اللہ! تجھی سے شکایت کرتا ہوں اپنی کمزوری، اپنی بے کسی اور لوگوں میں اپنی رسوائی کی۔ اے سب رحم کرنے والوں میں زیادہ رحم کرنے والے۔ آپ تو کمزوروں کے بھی پرودگار ہیں اور میرے بھی آپ ہی رب ہیں۔ آپ مجھے کس کے حوالے کرتے ہیں، کسی اجنبی کے جو مجھ پر ترش رو ہوتا ہے۔ یا آپ نے میرے معاملہ کو دشمن کے حوالے کر دیا ہے۔ اے اللہ! اگر آپ مجھ سے ناراض نہیں ہیں تو مجھے کسی بات کی کوئی پروا نہیں۔ (اتنے مشکل وقت میں بھی اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرما رہے ہیں)۔ اے اللہ! تیری حفاظت میرے لیے کافی ہے (اور پھر اتنی پیاری بات کہی کہ بیان کرتے ہوئے منہ میں مٹھاس آ جاتی ہے۔ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں) اے اللہ! میں تیرے چہرے کے اس نور کے طفیل مانگتا ہوں جس سے سب ظلمتیں روشن ہو گئیں (اللہ اکبر کبیرا) اور دنیا اور آخرت کے سب کام سنور گئے۔ اس بات سے پناہ مانگتا ہوں کہ میرے اوپر آپ کا غضب نازل ہو، یا آپ مجھ سے ناراض ہوں۔ (آگے عجیب نکتے کی بات ارشاد فرمائی) اے اللہ! آپ کا

عتاب اس وقت تک حق ہے جب تک کہ آپ کو راضی نہ کر لیا جائے۔ اے اللہ! تیرے سوا نہ کوئی طاقت ہے اور نہ کوئی قوت۔''

دوسرے لفظوں میں یہ فرمانا چاہتے تھے کہ آپ کو اس وقت تک منانا ضروری ہے جب تک کہ آپ راضی نہیں ہو جاتے...... ایک صحابی ؓ بھی دعا مانگ رہے تھے: اے اللہ! تو راضی ہو جا، اے اللہ! تو راضی ہو جا۔ کافی دیر دعا مانگنے کے بعد کہنے لگے: اے اللہ! اگر تو نے راضی نہیں ہونا پھر بھی راضی ہو جا۔ آگے فرمایا:

اس دعا میں نبی علیہ السلام کی کیا عاجزی ظاہر ہوتی ہے۔ کوئی اور ہوتا تو کہتا، (معاذ اللہ) اللہ! دیکھ لے، پتھر کھائے ہیں، اب تو ان کو غرق کر دے نا۔ آج تو کہتے ہیں کہ میں نے دعا مانگی تھی، وہ قبول نہیں ہوئی، میں نے بھی نمازیں پڑھنی چھوڑ دی ہیں۔ اللہ کو اس پہ آزماتے ہیں۔ اللہ کے حبیب ﷺ کا عمل دیکھیے کہ دعوت کے راستے میں اتنی تکلیفیں اٹھائیں کہ دل غمزدہ تھا۔ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے نبی علیہ السلام سے سوال پوچھا: اے اللہ کے نبی ﷺ! آپ کی زندگی میں سب سے زیادہ مشکل دن کون سا گزرا ہے؟ فرمایا: احد کے بعد میری زندگی میں سب سے زیادہ مشکل دن طائف کا دن ہے، نو سال گزر گئے ہیں، اس کی تکلیف اب بھی میں دل میں محسوس کر رہا ہوں۔ جس دن کی تکلیف میرے آقا ﷺ کو نو سال تک نہیں بھولی، اس دن انہوں نے نبی علیہ السلام کو کتنا ٹف ٹائم دیا ہوگا۔ انہوں نے میرے آقا ﷺ کے ساتھ کیا سلوک کیا ہوگا۔ (اس جملے پر حضرت اقدس دامت برکاتہم العالیہ آب دیدہ ہو گئے اور آپ پر اور مجمع پر عجیب رقت کی کیفیت طاری تھی)۔

برائی کے بدلے اچھائی کرنا:

انبیائے کرام علیہم السلام دوسروں کے بوجھ اٹھاتے تھے اور آج ہم دوسروں کو دھکا دیتے ہیں۔ ذرا سی بات پر کہتے ہیں: نکل جا یہاں سے، چلا جا یہاں سے، دور ہو

جا میری نظروں سے، میں تیری شکل بھی دیکھنا پسند نہیں کرتا۔ بھئی! اگر دل کے اندر غم ہو تو پھر شاگردوں کا بننا آسان ہوتا ہے۔ اچھائی کا بدلہ اچھائی سے دینا تو مکافات کہلاتی ہے۔ البتہ برائی کے بدلے اچھائی کا معاملہ کرنا، اس کو احسان کہا جاتا ہے۔ اس کو قرآن مجید میں کہا گیا:

﴿ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ﴾

اگر دل میں اخلاص ہوگا اور ہم گناہوں سے بچیں گے تو اللہ تعالیٰ کی ہم پر رحمت ہوگی۔

کلمہ طیبہ کا اخلاص:

حدیث مبارکہ میں ہے:

((مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُخْلِصًا دَخَلَ الْجَنَّةَ))

''جس نے لا الہ الا اللہ اخلاص سے کہا وہ جنت میں داخل ہو گیا۔''

صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کلمے کا اخلاص کیا ہے؟ فرمایا:

((اَنْ تُحْجِزَهُ عَنْ مَحَارِمِ اللّٰهِ))

''کہ یہ کلمہ تجھے اللہ کی حرام کردہ چیزوں سے پیچھے ہٹا دے۔''

یعنی تم گناہوں سے بچ جاؤ۔

بارہ ہزار مرتبہ استغفار:

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں روزانہ بارہ ہزار (12000) مرتبہ استغفار کیا کرتا تھا۔ اور آج کل استاذ حدیث اور شیخ الحدیث بارہ سو (1200) مرتبہ بھی نہیں کرتے ہوں گے۔ الا ماشاء اللہ۔ اور طالب حدیث تو سو مرتبہ بھی نہیں کرتے ہوں گے۔

غلاموں کے سروں پر علم کے تاج:

جب انسان کی زندگی میں تقویٰ ہوتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ اس کو علم کا تاج پہنا دیتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اس کو غربت سے نکالتا ہے اور لوگوں کا سردار بنا دیتا ہے۔ وہ اسے فرش سے اٹھاتا ہے اور اس کو عرش پر پہنچا دیتا ہے۔ آپ تاریخ پڑھ کر دیکھیے۔ جب مسلمانوں کی عظمت کا سنہری دور تھا اس وقت گیارہ صوبے تھے اور ہر صوبے کا چیف جسٹس غلام تھا۔ موالی (آزاد کردہ غلام)۔ یعنی کسی کا غلام تھا اور پھر اس نے آزاد کر دیا۔ اب سوچیے کہ غلام کی معاشرے میں کیا حیثیت ہوتی ہے۔ لیکن وہ غلام اس علم کو حاصل کرنے کے راستے پر نکلے اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو فرش سے اٹھا کر تخت کے اوپر بٹھا دیا۔ پورے صوبے میں ان کا فتویٰ چلتا تھا۔ وقت کا بادشاہ ان کے سامنے کئی مرتبہ ملزم کی طرح کھڑا ہوتا تھا۔

امام مکی نے ''مناقب ابو حنیفہ'' میں اسے ہشام اور عطا کے درمیان مکالمے کے طور پر نقل کیا۔ حاکم ؒ نے بھی ''معرفۃ علوم الحدیث'' میں اس کو لکھا۔ ابن صلاح نے ''مقدمہ'' میں اس کو لکھا۔ علامہ سیوطی نے ''تدریب'' میں اور سخاوی نے ''فتح المغیث'' میں اس قصے کو دہرایا۔ فقہا نے بھی اپنی کتابوں میں اس کو نقل کیا۔ تقی الدین تمیمی نے ''طبقات السنیہ'' میں اسے ذکر کیا ہے۔

ایک مرتبہ ابن شہاب زہری عبدالملک کے دربار میں پہنچے۔ عبدالملک نے پوچھا: زہری! کیا تم بتا سکتے ہو کہ مسلمانوں کے مختلف شہروں میں کون لوگ مراجع انام ہیں؟ یعنی لوگ اپنے مسائل میں کن کی طرف رجوع کرتے ہیں؟ مرکزیت کن کو حاصل ہے؟...... صاف ظاہر ہے کہ جو مرجع خلائق ہوگا اس کو معاشرے میں عزت نصیب ہوگی اور لوگ ان کے پاؤں کے نیچے پلکیں بچھائیں گے...... تو ان لوگوں کے بارے میں پوچھا کہ وہ کون ہیں۔ زہری نے کہا: ہاں! آپ پوچھیں میں بتاتا ہوں۔

عبدالملک: تم اس وقت کہاں سے آ رہے ہو؟

زہری: مکہ مکرمہ سے

عبدالملک: مکہ مکرمہ میں کون مرجع خلائق ہے؟

زہری: عطا بن رباح

عبدالملک: عرب خاندان کے آدمی ہیں یا غلام ہیں؟

زہری: غلام ہیں۔

عبدالملک: عطا کو یہ مقام کہاں سے ملا؟

زہری: علم دین اور احادیث کی روایت سے۔

عبدالملک: ہاں! یہ دونوں چیزیں ایسی ہیں جو انسان کو عزت بخشتی ہیں۔ اچھا! اب بتاؤ کہ یمن میں کون ہے؟

زہری: طاؤس بن کیسان۔

عبدالملک: عرب ہے یا کوئی غلام؟

زہری: غلام

عبدالملک: اچھا! یہ بتاؤ کہ مصر میں کون ہے؟

زہری: یزید بن حسیب۔

عبدالملک: عرب ہے یا کوئی غلام؟

زہری: وہ بھی غلام ہیں۔

عبدالملک: اچھا! شام میں کون ہے؟

زہری: مکحول

عبدالملک: عرب ہیں یا غلام؟

زہری: وہ بھی غلاموں میں سے ہیں۔

(اب عبدالملک کچھ پریشان سا ہو گیا اور اس کا لہجہ بدلنے لگا۔ چنانچہ کہنے لگا)

عبدالملک: جزیرہ یعنی دجلہ اور فرات کے درمیانی علاقوں میں کون ہے؟

زہری: میمون بن مہران

عبدالملک: عربی ہیں یا غلام؟

زہری: غلام

عبدالملک: اچھا! پورے عراق کا فقیہ کون ہے؟

زہری: حسن بن ابی الحسن اور محمد بن سیرین

عبدالملک: دونوں کی کیا حیثیت ہے، عرب ہیں یا غلام؟

زہری: غلام ہیں۔

عبدالملک: مدینہ منورہ کے فقیہ کون ہیں؟

زہری: زید بن اسلم، محمد بن المنکدر اور نافع بن ابی نجیح

عبدالملک: ان کی حیثیت اور نسبت کیا ہے؟

زہری: یہ بھی غلام ہیں۔

(اب یہ باتیں سن کر عبدالملک کے لیے ہضم کرنا مشکل ہو گیا۔ اس کا سانس پھولنے لگا۔ آنکھیں کھل گئیں اور سرد آہیں بھرنے لگا۔ کہنے لگا: کیا مسئلہ ہے۔ پھر کہنے لگا)

عبدالملک: اچھا بتاؤ خراسان میں مرجع خلائق کون ہے؟

زہری: ضحاک بن مزاحم اور عطا بن عبداللہ خراسانی۔

عبدالملک: یہ کون لوگ ہیں؟

زہری: یہ بھی غلام ہیں۔

عبدالملک: ویلک، تجھ پر افسوس ہو، تیری کم بختی، تیرا ناس ہو، کوئی تو ہوتا جو

عربی ہوتا۔ ملک کے اتنے صوبے ہیں اور ہر صوبے میں مرجع، خلائق غلام ہیں۔

(عبدالملک خود بھی عرب تھا اور ترس گیا کہ کوئی تو عربی ہوتا۔ اب اس کے چہرے پر ایسی سیاہی چہرے پر ایسی سیاہی چھا رہی تھی کہ دیکھنے والے کو ڈر لگتا تھا) خیر اس نے پوچھا: اچھا یہ بتاؤ کہ کوفہ میں مسلمانوں میں مرکزی حیثیت رکھنے والا کون ہے؟

زہری: ابراہیم نخعی اور شعبی۔

(ابن شہاب زہری فرماتے ہیں کہ اگرچہ میں اب بھی کسی غلام کا نام لیتا تو مجھ سزا ملتی۔ اگر اس وقت کوفہ کے اندر حماد بن ابی سلیمان اور حکم بن عتبہ، دونوں غلام تھے، مگر ان کے ساتھ یہ دو حضرات عربی تھے۔ مجھے اس وقت غلاموں کے نام لینے میں شر کے آثار نظر آرہے تھے۔ چنانچہ جب میں نے کہا: ابراہیم نخعی اور امام شعبی ہیں، اور یہ عربی تھے۔ نچہ جب میں نے ابراہیم نخعی کا نام لیا تو عبدالملک نے بے ساختہ نعرہ لگایا اور اسے اطمینان کا سانس نصیب ہوا)۔

عبدالملک: زہری! تو نے تو مجھے مار ہی دیا تھا کہ آج ہمارے اتنے بڑے ملک میں وقت کا کوئی ایک قاضی بھی عربی نہیں ہے۔ اب جاکر تم نے ایک بات سنائی جس سے غم کا بادل میرے دل سے ہٹ گیا۔ اگر تم یہ آخری جواب نہ سناتے تو قریب تھا کہ میرا کلیجہ پھٹ جاتا۔

اب سوچنے کی بات ہے کہ ان غلاموں کو اس مرتبے پر کس نے پہنچایا۔ اگر آپ کے گھر کے گھرانے میں سے کوئی سول جج ہو تو سارے اٹھ کر سلام کریں گے کہ جی یہ سول جج صاحب ہیں۔ ہمارے کزن تو سٹی مجسٹریٹ ہیں جی۔ ایک سول اور سٹی مجسٹریٹ کو اللہ نے یہ مقام دیا ہے کہ تو جو پورے صوبے کے چیف جسٹس ہوں گے اور ان سے فتاویٰ پوچھے جاتے ہوں گے ان کی عزتوں کا کیا عالم ہوگا۔ سچی بات یہ

ہے کہ علم گرے ہوئے لوگوں کو اٹھاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا قرب عطا کر دیتا ہے۔ ذلت اور رسوائی کے گڑھوں میں پڑے ہوؤں کو عزتوں کے تاج پہنا دیتا ہے۔ لیکن اس کے لیے شرط ہے کہ علم کو عبادت کے راستے سے حاصل کیا جائے۔

غلامی کے گڑھے سے امامت کے مصلے تک:

بنو قریظہ کا ایک یہودی تاجر تھا۔ اس کا نام سلام بن جبیر تھا۔ وہ شام گیا اور وہاں سے اس نے مالِ تجارت خریدا۔ وہاں ایک غلام بھی بک رہا ۔ نہ تو اس کی شکل اچھی تھی اور نہ اس میں کوئی ہنر نظر آتا تھا اور بیچنے والا بھی جان چھڑا رہا تھا۔ گلو خلاصی کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ وہ سستا بہت بک رہا تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ سستا ہونے کی وجہ سے میں نے کہا: چلو! یہ بھی خرید لیتے ہیں، کوئی تو لے لے گا، ہوسکتا ہے گھر میں کسی کو غلام کی اور نوکر کی ضرورت ہو۔

اس غلام کا نام سالم تھا۔ اسے سلام بن جبیر مدینہ منورہ لے آیا۔ اس کا مال تجارت تو ہاتھوں ہاتھ بک گیا۔ اب وہ چاہتا تھا کہ میں کام سمیٹوں اور قبیلے میں جاؤں، لیکن غلام کو کوئی نہیں خریدتا۔ جو آتا ہے وہ دیکھ کر کہتا ہے: نہ عقل نظر آتی ہے اور نہ شکل نظر آتی ہے، کیوں خریدیں؟ وہ اس کے لیے گلے کا کانٹا بن گیا۔ ایک ہفتہ دس دن وہ روز مارکیٹ جاتا اور غلام کو کوئی نہ خریدتا۔ وہ بڑا پریشان ہوا۔ حتی کہ اس نے یہ فیصلہ کرلیا کہ جب یہ اتنا ہی نکما ہے تو اس کو اونی پونی قیمت پہ بیچ دوں گا۔

جس دن اس نے یہ ارادہ کیا، اس دن مدینہ کی ایک کنواری لڑکی جس کا نام ثبیتہ (باوقار) تھا، وہاں سے گزری۔ اس نے پہلے بھی کئی مرتبہ اس غلام کو دھوپ کے اندر بازار میں کھڑے دیکھا تھا...... وہ نوجوان بچی تھی۔ عورت ذات تھی، دل نرم تھا، اسے اس پر رحم آ گیا...... اس نے سلام سے پوچھا: کیا تم اس لڑکے کو بیچنا چاہتے ہو؟ اس نے کہا: ہاں! میں اسے بیچنا ہی نہیں چاہتا بلکہ اس سے جان چھڑانا چاہتا

ہوں۔ پوچھا: کتنے پیسے لو گے؟ اس نے کہا: جتنے میں، میں نے خریدا ہے اور راستے میں جو اس پر خرچ کیا ہے، بس خرچہ دو اور لے جاؤ۔ لو جی! اس نے تھوڑی سی قیمت مانگی۔ ثبیتہ نے وہ رقم دے دی اور اس لڑکے کو لے کر آ گئی۔

خریدتے وقت اس نے پوچھا تھا کہ یہ لڑکا ملا کہاں سے تھا؟ اس نے کہا: یہ ماں باپ کا اکیلا بیٹا تھا، شام میں بک رہا تھا اور میں اسے لے آیا تھا۔ وہ نرم دل لڑکی تھی۔ وہ سوچتی رہی کہ کتنے بچے ایسے ہوں گے جو اپنی ماؤں سے جدا کر دیئے جاتے ہیں، یہ بھی تو کسی ماں کا بیٹا ہو گا، پتہ نہیں اس کی ماں اس کے لیے کتنا ترستی ہو گی، روتی ہو گی، میں دیکھتی ہوں کہ بے چارہ سارا دن دھوپ میں کھڑا ہوتا ہے۔ اچھا! میں اس کو گھر لے جاتی ہوں اور میں اس کو اپنا بیٹا بنا لوں گی۔ لیکن میں اس سے شادی نہیں کروں گی۔ ایسا نہ ہو کہ میری اولاد کے ساتھ بھی کل یہی معاملہ پیش آ جائے۔

ثبیتہ نے اس لڑکے کو اپنے گھر میں بیٹے کی طرح پالنا شروع کر دیا۔ جب لڑکے کو اچھی غذا ملی اور محبت ملی...... وہ تو بھوکا تھا محبت کا...... چنانچہ اب اس کے اندر خود اعتمادی آ گئی اور اس کی صحیح نشو نما اور گروتھ ہونا شروع ہو گئی۔ اس کی صحت بھی اچھی ہوتی گئی اور صلاحیتیں بھی کھل گئیں۔ یوں وہ ڈپریشن میں سے نکل آیا اور اس کا چہرہ تر و تازہ ہو گیا۔

ان دنوں مکہ مکرمہ کا ایک قبیلہ شام میں تجارت کے لیے گیا ہوا تھا۔ اس میں ابو حذیفہ نامی ایک تاجر تھے جو مکہ کے رہنے والے تھے۔ انہوں نے راستے میں مدینہ منورہ میں پڑاؤ ڈالا۔ اللہ کی شان ان کے سامنے ثبیتہ کا یہ واقعہ کسی نے بیان کیا تو ابو حذیفہ کو ثبیتہ کی طبیعت اچھی لگی۔ کہ وہ ایک رحم دل لڑکی ہے اور اس نے احساس کیا، انسانیت کی ہمدردی کی۔ ایسے اچھے اخلاق والی لڑکی کہاں ملتی ہے؟ چنانچہ اس نے بن دیکھے ثبیتہ کے والدین کو نکاح کا پیغام بھیج دیا۔ ادھر ثبتہ کے والدین سے

سوچا: نو! قریش میں سے ہے، تاجر ہے، خود پیغام بھیج رہا ہے، یہ تو کوئی اچھا آدمی لگتا ہے، لہٰذا انہوں نے اس پیغام کو قبول کر لیا اور ثبیتہ کا نکاح ہو گیا۔

نکاح کے بعد ابو حذیفہ کچھ دن مدینہ میں رہے۔ وہ غلام بھی ان کے ساتھ رہا جو انکی بیوی کے پاس تھا۔ پھر ابو حذیفہ مکہ مکرمہ چلے گئے تو ثبیتہ بھی اپنے خاوند کے ساتھ مکہ مکرمہ گئی اور وہ غلام بھی ان کے ساتھ جہیز میں آ گئے۔

ابو حذیفہ، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دوست تھے۔ یہ بھی تاجر تھے۔ بزنس میں ایک دوسرے کے دوست ہوتے ہیں۔ ابو حذیفہ نے محسوس کیا کہ میرے یہ تاجر دوست (حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ) مجھ سے ملتے نہیں، کنی کترا جاتے ہیں۔ چونکہ دوستی کا ایک تعلق ہوتا ہے اس لیے ابو حذیفہ نے سوچ لیا کہ اگر عثمان اب مجھے نہ ملے تو میں ان کے گھر جا کر ان کو مناؤں گا اور پوچھوں گا کہ ناراض کیوں ہیں۔

لو جی! وہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے گھر آ گئے اور ان کے مابین بات چیت شروع ہو گئی۔

ابو حذیفہ: جی! میں آپ میں کچھ ناراضگی کے آثار دیکھ رہا ہوں...... بدلے بدلے سے میرے سرکار نظر آتے ہیں۔

عثمان غنی رضی اللہ عنہ: اس لیے کہ تیرا اور میرا راستہ مختلف ہے، میں کیا دوستی بڑھاؤں تیرے ساتھ؟

ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ: کیا مطلب؟

عثمان غنی رضی اللہ عنہ: دیکھ! تو لات اور منات کی پوجا کرنے والا ہے اور میں ایک خدا کی عبادت کرنے والا ہوں۔

(یہ سن کر ابو حذیفہ کانپ گئے اور کہنے لگے)

ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ: عثمان! کیا بتوں کے خلاف بات کر رہے ہو؟

عثمان غنی رضی اللہ عنہ: ہاں! اللہ کے آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے ہیں اور میں نے اپنے اس

آقا کے پیغام پر لبیک کہی ہے اور اب میں مسلمان ہو چکا ہوں۔

(اب ابوحذیفہ کو محسوس ہوا کہ میرا جگری یار مجھ سے جدا ہو گیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے کہا)

ابوحذیفہ: اچھا! بھئی! اگر وہ ایسے ہیں کہ انہوں نے تیری زندگی کو بدل دیا ہے تو مجھے بھی ملاؤ۔

عثمان غنی ﷛: بہت اچھا۔

چنانچہ عثمان غنی ﷛ کی دعوت پر ابوحذیفہ نبی علیہ السلام کی خدمت میں آئے۔ نبی علیہ السلام نے اس وقت اللہ کا قرآن پڑھا اور قرآن نے دل کی دنیا کو بدل کے رکھ دیا۔ ابوحذیفہ مسلمان ہو گئے۔

جب ابوحذیفہ ﷛ گھر گئے تو ثبیتہ نے دیکھ کر کہا: میں جو سکون آپ کے چہرے پر آج دیکھ رہی ہوں، وہ پہلے کبھی نہیں دیکھا، کیا وجہ ہے؟ کہنے لگے: میں مسلمان ہو گیا ہوں۔ وہ نیک دل لڑکی تھی۔ اس نے کہا: اچھا! پھر میں بھی مسلمان ہوتی ہوں۔ چنانچہ ثبیتہ نے بھی اسلام قبول کر لیا۔

اللہ کی شان دیکھیں کہ اسلام قبول کرنے کے بعد اس نے نبی علیہ السلام کی تعلیمات سننا شروع کیں۔ ایک مرتبہ نبی علیہ السلام نے فرمایا جو غلام آزاد کرے گا اس کو یہ ثواب ملے گا۔ پھر جب ثبیتہ گھر آئی تو اس نے اپنے غلام سالم کو کہا: اللہ کے نبی ﷺ نے غلام کو آزاد کرنے کی فضیلت بتائی ہے، لہٰذا میں تجھے اللہ کے راستے میں آزاد کرتی ہوں، اب جہاں جانا ہے تو چلا جا۔

یہ سن کر سالم پریشان ہو گیا کہ میں کہاں جاؤں۔ میرا تو کوئی ہے ہی نہیں۔ اس وقت ابوحذیفہ کے دل میں بات آئی کہ پہلے بیوی نے رحم کیا تھا اور اس کو خرید لیا تھا، اب اس نے آزاد کیا ہے تو میں اسے کیوں دور جانے دوں، چنانچہ ابوحذیفہ ﷛

کہنے لگے: میں آج سے آپ کو اپنا منہ بولا بیٹا بناتا ہوں۔ اب اس کا نام سالم بن حذیفہ رضی اللہ عنہ پڑ گیا۔ اس نے بھی کلمہ پڑھ لیا۔ اس کے بعد اس کا اکثر و بیشتر وقت نبی علیہ السلام کی خدمت میں گزرتا۔ وہاں رہتے ہوئے اس نے قرآن مجید کا علم سیکھنا شروع کر دیا۔

سالم بن حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اتنا علم سیکھا کہ جب مہاجرین نے مدینہ طیبہ ہجرت کی تو مدینہ کے لوگوں کو امامت کے لیے اپنے سے بہتر قرآن پڑھنے والا اس سالم بن حذیفہ کے سوا کوئی نظر نہیں آتا تھا۔ کتابوں میں لکھا ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بھی موجود ہوتے تھے اور ان کی موجودگی میں انکو مصلے کے اوپر امامت کے لیے کھڑا کیا گیا۔

اور جب یہودی سالم بن حذیفہ رضی اللہ عنہ کو مصلے پر کھڑا دیکھتے تو حیران ہو جاتے۔ سلام بن جبیر رضی اللہ عنہ بھی ادھر آ نکلا۔ جب اس کی نظر سالم بن حذیفہ پر پڑی تو فوراً پہچان گیا کہ یہ تو وہی بچہ ہے جسے کوئی خریدتا نہیں تھا، میں نے شام سے اتنے تھوڑے داموں میں اسے خریدا، مدینے میں آ کر مصیبت میں پھنس گیا، کوئی لیتا نہیں تھا، اسے تو کوئی منہ بھی نہیں لگاتا تھا، گری پڑی چیز کی مانند تھا، کوئی اس کی قیمت نہیں تھی، یہ بچہ اب مسلمانوں کا امام ہے!!!

جب اس نے پوچھا کہ تم نے اس کو اپنا امام کیوں بنایا، تو جواب ملا:

''ہم میں سے اس نے اللہ کے قرآن کو زیادہ بہتر سیکھا ہے۔''

یوں علم انسان کو غلامی کے گڑھے سے نکال کر امامت کے مصلے پر کھڑا کر دیا کرتا ہے۔ ہم اگر اپنی زندگی کے اندر پریشان حال ہیں، پریشانیوں کی دلدل میں دھنسے ہوئے ہیں تو عبادت کے راستے سے علم حاصل کریں، پھر دیکھیں کہ اللہ رب العزت کیسے عزتوں کے تاج پہناتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں علم نافع عطا فرمائے۔ ہمارے پچھلے گناہوں کو اللہ تعالیٰ معاف

فرما کر بقیہ پوری زندگی اس علم پر عمل کرنے کی اور اسے پورے عالم میں پھیلانے کی توفیق عطا فرمادے۔ آمین ثم آمین

وَ آخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

